ہفت روزہ
ندائے خلافت
لاہور

۱۹ر اکتوبر ۱۹۹۲ء

☆ عالم اسلام کا حکمران طبقہ رخصت ہونے والا ہے!
☆ کیا بازا حصص ایک نیا سکینڈل بن کر سامنے آئے گا؟
☆ محل کا نشان بھی مٹ گیا، مسجد سلیمانیہ کا شکوہ جوں کا توں ہے

ارکان و خیرخواہان جماعت کو

جماعت اسلامی کی تاریخ کے

تیسرے اور شدید ترین بحران میں

انکے ایک پرانے ساتھی ڈاکٹر اسرار احمد کے پیغام کا آخری حصہ

جماعت اسلامی کے تمام ارکان، کارکنوں اور جملہ خیر خواہوں مخلصوں سے درخواست ہے کہ جس تحریک کے ساتھ وہ کسی بھی درجے میں وابستہ ہیں یا رہے ہیں، اس کی عظمت کو سمجھیں، موجودہ فیصلہ کن مرحلے کی اہمیت کو بھی پہچانیں اور پھر پورے معاملے پر از سرنو غور کرتے ہوئے کسی بھی سابق عصبیت یا عقیدت کو راہ میں حائل نہ ہونے دیں ----- اس کے نتیجے میں کیا عجب کہ اللہ تعالیٰ جماعت کے موجودہ بحران کے ظاہری "شر" کے بطن سے نہ صرف اپنے دین اور اس کے احیاء و تجدید اور غلبہ و اقامت بلکہ اس سلطنت خداداد پاکستان اور اس سے بھی آگے بڑھ کر عالم اسلام اور بالآخر پوری نوع انسانی کے لئے کوئی عظیم "خیر" برآمد کردے---

اپنی خودی پہچان، او غافل افغان!

(ماخوذ از ماہنامہ میثاق لاہور۔ اشاعت خصوصی اکتوبر ۱۹۹۲ء)

چھوٹے سے شہر میں ایک بڑا مذاکرہ

وقائع نگار

امیر تنظیم اسلامی وداعی تحریک خلافت پاکستان جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے دین کے کسی معاملے میں بھی اپنے آپ کو عقل کل نہیں سمجھا۔ اس کی درخشندہ مثال انہوں نے مارچ ۸۵ء میں اپنے پیش کردہ تصور فرائض دینی کو چھ روز مسلسل اندرون اور بیرون ملک کے متدین علماء اور عصر حاضر کے فضلاء کے سامنے تنقید کے لئے پیش کر کے قائم کی اور وہ طرح ڈالی جس کی نظیر موجودہ دور میں شاید ہی کہیں ملے۔ جب انہوں نے اس ملک پاکستان میں نظام خلافت کے حوالے سے تحریک کا آغاز کیا تو منشور خلافت کے عنوان سے ایک مبسوط و منضبط خاکہ دس نکات کی شکل میں مدون کر کے علماء و فضلاء کے سامنے تنقید و تبصرہ کے لئے رکھا جس کا سلسلہ قرآن آڈیٹوریم لاہور میں تاحال جاری ہے۔ اسی سلسلہ کو وسعت دیتے ہوئے ڈسکہ کی مقامی تنظیم نے بھی اس کا انعقاد ۲ر اکتوبر کو ڈسکہ شہر میں کیا۔ پروگرام میں اظہار خیال کے لئے مختلف مکاتب فکر سے تعلق رکھنے والے حضرات کو دعوت دی گئی تھی۔

پروگرام کا آغاز تلاوت کلام پاک سے ہوا۔ تلاوت جناب حافظ عبدالکریم صاحب نے کی۔ اس کے بعد جناب بدر منیر اکرم صاحب نے نعت رسولؐ مقبول پیش کی۔ پھر سٹیج سیکرٹری مرزا ندیم بیگ نے پروگرام کی غرض و غایت بیان کرتے ہوئے کہا کہ اس پروگرام کا مقصد مل بیٹھ کر نظام خلافت کے متعلق غور کرنا ہے کیونکہ یہ نظام خالق کائنات کا عطا کردہ نظام ہے جبکہ دوسرے نظام انسانیت کے مسائل کو حل کرنے میں ناکام رہے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اس پروگرام کی اصل روح مناظرہ و مجادلہ سے ہٹ کر افہام و تفہیم کے ماحول کو پیدا کرنا ہے تاکہ اصل بات نکھر کر سامنے آئے۔

اب پروگرام کے پہلے مقرر جناب چودھری محمد یوسف چیمہ صاحب نے جو پاکستان عوامی تحریک ڈسکہ کے صدر ہیں، کہا کہ دین اسلام کے لئے ملک خداداد پاکستان میں اس وقت تک کوئی مثبت کام نہیں ہوسکتا جب تک کہ مسلمان اکٹھے نہ ہوں اور انہیں جرات مند قائد نہ ملے۔ انہوں نے کہا کہ میں ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی نظام خلافت سے متعلق کوشش کو سراہتا ہوں اور ان کے اس پروگرام سے کہ یہ انقلاب کے راستے سے ہی آئے گا، متفق ہوں لیکن ضروری ہے کہ اکٹھا ہوا جائے۔ اب تک کی تمام قیادت اس قابل نہیں کہ وہ اس نظام کے لئے کچھ کرسکے جب کہ عوام ایک حد تک تیار ہیں۔

اگلے مقرر جناب محمد انور مغل ایڈووکیٹ صاحب نے جن کا تعلق جماعت اسلامی سے ہے، کہا کہ نظام خلافت، نظام مصطفیٰ اور اسلامی نظام ہی کا دوسرا نام ہے۔ انہوں نے کہ میں مانتا ہوں کہ نظام خلافت صدارتی نظام کے قریب تر ہے لیکن موجودہ دور کے صدارتی نظام میں صدر احتساب سے مستثنیٰ ہوتا ہے لہٰذا ضروری ہے کہ نظام پارلیمانی کو اختیار کیا جائے جس میں صدر اور وزیراعظم پارلیمنٹ کے سامنے جوابدہ ہوتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ پارلیمنٹ کے رکن کے لئے کڑی شرائط رکھی جائیں۔ احتساب کے ضمن میں فیڈرل شریعت کورٹ کا کردار بھی اس سلسلہ میں قابل ذکر ہے۔

تیسرے مقرر جناب مولانا محمد حیات نے جو جمعیت اہلحدیث ضلع سیالکوٹ کے امیر ہیں، کہا کہ خلافت ہی عدل و انصاف پر مبنی نظام ہے جو ہر ایک کو ضروری حقوق دیتا ہے جبکہ موجودہ نظاموں میں اندھیر نگری ہے۔ غریب کی زندگی حیوانوں سے بھی بد تر ہے اور امراء عیاشیوں کی زندگی بسر کررہے ہیں۔ نظام صلوٰۃ اپنی اصل شکل میں

(باقی صفحہ ۱۸ پر)

مذاکرے کے مقررین دائیں سے بائیں: مرزا ندیم بیگ، جناب محمد شفیع مغل ایڈووکیٹ، چودھری یوسف چیمہ، مولانا محمد حیات، جناب انور مغل ایڈووکیٹ، مولانا فیروز خان اور جناب رحمت اللہ بٹر

مذاکرے کے شرکاء نے سب مقررین کو پوری توجہ اور انہماک سے سنا

تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

تحریکِ خلافت پاکستان کا نقیب

ہفت روزہ
ندائے خلافت لاہور

جلد ۱ شمارہ ۳۸
۱۹ر اکتوبر ۱۹۹۲ء

مدیر
اقتدار احمد
معاون مدیر
حافظ عاکف سعید

یکے از مطبوعات
تنظیمِ اسلامی
مرکزی دفتر: ۶۷-اے، علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو لاہور
مقامِ اشاعت
۳۶-کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور
فون:- ۸۵۶۰۰۳

پبلشر: اقتدار احمد طابع: رشید احمد چوہدری
مطبع: مکتبہ جدید پریس، ریلوے روڈ، لاہور

قیمت فی پرچہ: -/۵ روپے
سالانہ زرِ تعاون (اندرونِ پاکستان) -/۲۰۰ روپے

زرِ تعاون برائے بیرونِ پاکستان
سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، بھارت ——— ۲۰ امریکی ڈالر
مسقط، عمان، بنگلہ دیش ——— ۱۵ " "
افریقہ، ایشیا، یورپ ——— ۲۰ " "
شمالی امریکہ، آسٹریلیا ——— ۲۴ " "

اداریہ

اے آندھیو! سنبھل کے چلو، اس دیار میں
امید کے چراغ جلائے ہوئے ہیں ہم

قومی اخبارات نے اپنے ذرائع کے حوالے سے خبر دی ہے کہ مسلح فوج کی قیادت نے جو سندھ سے واپسی کا تقریباً فیصلہ کر چکی ہے اور اب محض صاحب صدر کی "جو مسلح افواج کے سپریم کمانڈر بھی ہیں" رسمی اجازت کی منتظر ہے، وہ حساس دستاویزات سیاسی حکومت کو پیش کر دی ہیں جو مبینہ طور پر ایم کیو ایم کے سازشی منصوبوں پر سے پردہ ہٹاتی ہیں اور ظاہر ہے کہ ان دستاویزات میں دوسرے تخریب کاروں کی کارستانیوں کا کچا چٹھا بھی ہو گا۔ فوج کو ان سازشوں اور منصوبوں کا قلع و قمع کرنے کا اختیار دیا ہی نہیں گیا تھا لہٰذا اس سلسلے میں وہ زیادہ سے زیادہ یہی کچھ کر سکتی تھی جس کی خبر نشر ہوئی ہے البتہ امن و امان کی بحالی اور جرائم کی بیخ کنی کا مشن اس نے پوری کامیابی سے مکمل کیا اور کسی کو ان کی کارگزاری سے گلہ نہیں۔ اسے اول آخر ہیرکوں میں اور سرحدوں کی طرف واپس جانا ہی تھا' اب اس فضا کو قائم رکھنا جو فوج کی مستعدی اور فرض شناسی کے طفیل وہاں نظر آتی ہے' سیاسی حکومت کی ذمہ داری ہے اور نہیں کہا جا سکتا کہ وہ اپنی ذمہ داری سے کماحقہ عہدہ برا ہو سکے گی کیونکہ حکومت کی تو وہی ہے چال بے ڈھنگی جو پہلے تھی' سو اب بھی ہے۔

ہمیں ایم کیو ایم کے نام سے خدا واسطے کا بیر نہیں کیونکہ اس کے خیر کو ہم نے ہمیشہ خیر قرار دیا اور صرف شر کو ہی شر کہا ہے۔ پھر ہم نے ملکی آبادی کے اس قابل قدر حصے کی بھی مذمت نہیں کی جس نے مہاجر قومیت کا لبادہ اوڑھ لیا ہے' اس کے مسائل کو سمجھنے کی کوشش کی اور غلط فہمیوں کو دور کرنا چاہا اور تازہ انکشافات کے بعد بھی ہمارے دلوں میں اس کے لئے وہی نرم گوشہ موجود ہے' جو تھا۔ پایں ہمہ ہم "جناح پور" کا نقشہ دیکھ کر لرز اٹھے ہیں جو ایک بہت بڑے قومی اخبار نے بہت نمایاں کر کے شائع کیا ہے۔ مہاجروں میں بھی ملک دشمنوں کا تناسب چاہے وہی ہو جو "ابنائے زمین" میں ہر جگہ موجود ہے' پختونستان کی چلمن کے پیچھے بھی خواہ ویسے ہی عزائم پناہ لئے رہے ہوں جو "جناح پور" کے نقوش سے ابھرتا ہے اور "سندھو دیش" کے مفہوم میں بھی اگرچہ قوم کے لئے کوئی نوید ہرگز نہیں لیکن مہاجر آبادی کی کسی اقلیت نے یعنی ایم کیو ایم کے جس حصے نے جناح پور کا منصوبہ بنایا' اگر بنایا ہے تو وہ ملک و قوم کی دشمنی میں سب شرپسندوں اور امت مسلمہ کے بدخواہوں کو بہت پیچھے چھوڑ گیا ہے۔ اس سے کسی رو رعائت کے سلوک کا سوچنے سے پہلے پاکستان پر فاتحہ پڑھنی ہو گی۔ قائداعظم علیہ رحمت کے احسان کا چھدا سر سے بالکل ہی اتار پھینکنا ہو گا جو آدھا دسمبر ۱۹۷۰ء میں ہم اتار ہی چکے ہیں۔

مبینہ ریاست جناح پور نہ صرف کراچی' حیدر آباد' ٹنڈو الہ یار' بدین کے علاوہ سندھ کے بعض ان علاقوں پر محیط ہے جہاں تیل کے ذخائر پائے گئے یا متوقع ہیں بلکہ ہب ڈیم اور اتھل بیلا وغیرہ سمیت بلوچستان کی صنعتی بستیوں کو بھی اپنی لپیٹ میں لیتی ہے اور بات یہیں ختم نہیں ہو جاتی' تھرپارکر کا علاقہ اور رن آف کچھ سے ملحق سرزمین وطن کو تھالی میں رکھ کر بھارت کی خدمت میں پیش کرتی ہے تاکہ وہ اسے را جستھان کا حصہ بنا لے اور اس ہدیہ کے عوض جناح پور کی پشت پناہ بن کر کھڑا ہو جائے۔ ہماری خواہش ہے کہ یہ سازشی منصوبہ محض کسی ایک آدھ شوریدہ سر کے دماغ کا فتور ثابت ہو اور مہاجروں کی کوئی چھوٹی تعداد بھی اس میں ملوث نہ پائی جائے لیکن ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے' ہمارے چاہنے سے کیا ہوتا ہے۔ حقیقت حال کا انکشاف تو تحقیق و تفتیش کا حق ادا کرنے سے ہی ہو گا جس میں ان پردہ نشینوں کو بھی بے نقاب کرنا ضروری ہو گا جن کے نام کسی نہ کسی طور اس میں آتے ہیں۔ کیا ہماری مصلحتوں کی اسیر سیاسی حکومت ملک کی بقا و سلامتی کے لئے بھی یہ خطرہ مول لینے کو تیار ہو جائے گی؟

دوسری طرف پی پی اے کی نیویارک سے نشر کردہ ایک اور چھوٹی سی خبر بڑی معنی خیز ہے۔ ایم کیو ایم کے رضا کارانہ جلاوطنی کاٹنے والے قائد جناب الطاف حسین کی طرف سے ایک قرطاس ابیض دو ہفتوں میں جاری ہونے والا ہے جس میں وہ حکومت کے عہدیداروں اور سیاسی رہنماؤں سے اپنی بات چیت' مذاکرات اور موجودہ صورت حال تک پہنچنے والے واقعات کے راز ہائے سربستہ کو طشت از بام کر دیں گے اور گویا حب وطن کے دعویداروں اور ملک کی سلامتی کے اجارہ داروں کا پول کھول کر رکھ دیں گے۔ معلوم ہوتا ہے کہ انہیں اپنی اس دھمکی کے کارگر ہونے کا خاصا یقین ہے کیونکہ حمام میں سب ننگے ہوں تو سبھی کا پردہ رہ جاتا ہے' کوئی ایک کسی دوسرے پر انگشت نمائی نہیں کر سکتا۔ اگر ایسا ہے اور قرائن بتا رہے ہیں کہ ایسا ہی ہے تو ڈر کاہے کا! فوج کی طرف سے پیش کردہ سب دستاویزات مال

(باقی صفحہ ۷ پر)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الہدیٰ

سورۃ البقرہ
(آیات ۱۳۳۔۱۳۴)

ترجمانی: حافظ عاکف سعید

کیا تم اس وقت موجود تھے جب یعقوبؑ کی موت کا وقت آیا جب کہا اس نے اپنے بیٹوں سے تم کس کی بندگی کرو گے میرے بعد۔ انہوں نے کہا ہم بندگی کریں گے تیرے معبود کی اور تیرے آباء و اجداد ---- ابراھیمؑ اسماعیلؑ اور اسحاقؑ ----- کے معبود کی' وہی ایک معبود ہے اور ہم اسی کے فرمانبردار ہیں ○

کہ اے یہود و نصاریٰ' تم اپنے بزرگ آباء واجداد کے بارے میں یہ دعویٰ کرتے ہو کہ وہ یہودیت یا نصرانیت پر تھے تو کیا تم اس وقت موجود تھے جب حضرت یعقوبؑ کا آخری وقت آیا۔ جانتے ہو انہوں نے بوقت مرگ اپنے بیٹوں کو کس بات کی وصیت کی تھی اور ان سے کس چیز کا اقرار لیا تھا! -------- انہوں نے اپنی اولاد سے یہودیت اور نصرانیت کا نہیں توحید اور اسلام کا اقرار لیا تھا! اپنی زندگی کے بالکل آخری لمحات میں حضرت یعقوبؑ نے اپنے بیٹوں کو جو وصیت کی اس سے اس امر کا اظہار مقصود تھا کہ اصل اہمیت کی بات یہ ہے کہ انسان دین حق پر قائم رہے اور توحید پر پورے طور پر کاربند رہے' وہی توحید جس کی شمع تمہارے جد امجد ابراہیم علیہ السلام نے روشن کی تھی اور جسے پوری ذمہ داری کے ساتھ ان کے بیٹوں اسماعیل اور اسحاق علیہما السلام نے روشن کئے رکھا تھا۔

وہ ایک گروہ تھا جو گزر چکا۔ ان کے لئے ہے وہ کچھ جو انہوں نے کمایا اور تمہارے واسطے ہے وہ جو تم نے کمایا اور تم سے نہیں پوچھا جائے گا ان کاموں کے بارے میں جو وہ کرتے رہے ○

(کہ اپنے آباء واجداد پر تمہارا محض یہ فخر و اعتماد تمہارے کسی کام نہ آئے گا کہ وہ اللہ کے برگزیدہ بندے تھے۔ اگر تم یہ گمان کرتے ہو کہ تمہارے حصے کے اعمال بھی وہ انجام دے گئے اور اب تمہیں صرف ان کی نیکیوں کے پھل کھانے ہیں تو یہ صریح مغالطہ ہے۔ "پدرم سلطان بود" کا دعویٰ اللہ کے میزان میں کوئی وزن نہیں رکھتا۔ تمہارے آباء واجداد میں سے اللہ کے وہ نیک بندے جن پر تمہیں فخر ہے' اپنے حصے کی ذمہ داریوں کو سرانجام دے کر اپنے رب کے حضور پہنچ چکے ہیں' اپنی نیکیوں اور اپنے اعمال کا صلہ وہ خود پائیں گے' اس کا کوئی حصہ تمہیں نہیں پہنچے گا' ہاں اگر تم اپنی ذمہ داریوں کو احسن طریقے پر انجام دوگے تو اس کی جزا تم پاؤ گے' بصورت دیگر اللہ کے عذاب کے مستحق ٹھہروگے۔ بہرکیف یہ بات طے ہے کہ تمہارے آباء واجداد کے اعمال کے بارے میں تم سے ہرگز پرسش نہیں ہوگی' تم سے محاسبہ تمہارے اپنے اعمال ہی کے بارے میں ہوگا!)

جوامع الکلم

جو بندہ دنیا میں کسی دوسرے بندے کی پردہ پوشی کرتا ہے' اللہ قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی فرمائے گا۔

(اس دنیا میں اپنے کسی مسلمان بھائی کے عیوب کی پردہ پوشی کرنا اتنا بڑا نیکی کا کام اور اس درجے نفع بخش معاملہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے بندے کے عیوب کی اس روز ستر پوشی فرمائیں گے جس دن تمام راز طشت ازبام ہوجائیں گے اور ہر شخص کو ضرورت ہوگی کہ اس کے عیوب لوگوں کی نگاہ سے پوشیدہ رہیں۔)

(صحیح مسلم بروایت حضرت ابوہریرہؓ)

عالم اسلام کا حکمران طبقہ رخصت ہونے والا ہے!

امریکہ "بنیاد پرستوں" سے معاملے کا خواہاں ہے؟

اسلامی تحریکوں کو جذباتی رویہ کی بجائے خود تنقیدی کے عمل سے گزرنا ہوگا

عبدالکریم عابد

عالم اسلام اکیسویں صدی میں سیاہ بختی کے دور میں داخل ہوگا یا ایک روشن تقدیر کا مالک ہوگا؟۔ اس سوال کا جواب مسلمانوں کے اپنے طرز عمل میں ہے جبکہ موجودہ طرز عمل دو طرح کا ہے اور یہ دونوں رویئے نقصان دہ ہیں۔ ایک روش وہ ہے جو عالم اسلام کے حکمرانوں نے اپنائی ہے کہ جو پرانا نظام ہے اسی کو گھسیٹ کر چلایا جائے' تبدیلیوں کی مزاحمت کی جائے "سٹیٹس کو" برقرار رہنے' قدیم مفادات اور بالا دستیوں کو ذرہ برابر ضرر نہ پہنچنے دیا جائے' دھن دھونس دھاندلی سے اقتدار اپنے ہاتھ میں رکھا جائے اور نئے طبقات اور عناصر کو نہ اس اقتدار میں شریک کیا جائے نہ ان سے کوئی مفاہمت کی جائے۔ بیرونی سطح پر یہ حکمراں امریکہ کی خوشنودی کے طلب گار ہیں لیکن امریکہ انہیں اب از کار رفتہ خیال کرتا ہے اور اس ردی مال کی قیمت لگانے کے لئے تیار نہیں ہے۔

ان حکمرانوں کو اس نے سرد جنگ کے دور میں کھڑا کیا تھا جن میں بادشاہ تھا' شیوخ تھے' فوجی آمر تھے اور بیورو کریٹ تھے۔ یہ لوگ اب امریکہ کے کسی کام کے نہیں رہے۔ امریکہ کو انہیں ختم کرنے کے لئے خود کچھ کرنے کی ضرورت بھی نہیں ہے کیونکہ مسلمان ملکوں کے عوام ہر جگہ خود ہی اپنے حکمرانوں کا تختہ الٹ دیں گے اور امریکہ اس منظر کو دیکھ کر لطف اندوز ہوگا۔ اس صورت حال میں حکمراں طبقہ کی روش ایک فنا پذیر نظام اور طبقہ کی آخری سانسیں ہیں جو بس اب گنتی کی رہ گئی ہیں۔ اس کی امید بہت کم ہے کہ حکمران طبقہ نئی حقیقتوں کا احساس کرے گا اور نیا رویہ اختیار کرے گا کیونکہ اس کے پاس دیانت اور بصیرت دونوں مفقود ہیں' اس کی نظر بہت تنگ ہے اور اپنے ذاتی یا گروہی مفادات میں بھی اسے دور رس مفاد کا خیال نہیں بلکہ صرف وقتی مفاد پر نظر ہے۔

یہ حکمران طبقہ دل اور دماغ کی وسعت کے اعتبار سے ایک بہت محدود طبقہ ہے۔ اس کے محدود ذہن میں نئی دنیا کی وسعتوں کا گزر نہیں ہوسکتا۔ یہ ابھی تک پرانی دنیا میں ہے اور اس میں رہنے پر مصر ہے اس لئے اس کے رویہ میں تبدیلی کا امکان نہیں تاہم کسی جگہ اگر حکمران طبقہ میں ایسے لوگ ہوں جو اپنے طبقہ کی موجودہ فکری و عملی پست سطح سے اوپر اٹھ سکتے ہوں تو انہیں سامنے آنا چاہیے اور ان کی مدد کرنا چاہیے لیکن ابھی تک یہ طبقہ بانجھ نظر آتا ہے اور اس کی کوکھ سے کسی نئی چیز کا جنم لینا مشکل ہے اس لئے آپ بہت جلد پرانے حکمرانوں کی رخصتی کا منظر دیکھیں گے۔ یہ منظر سعودی عرب' کویت' متحدہ عرب امارات' مصر' شام' ترکی' لیبیا' مراکش' تونس' انڈونیشیا' ملائشیا' اور بنگلہ دیش ہر جگہ نظر آئے گا۔ جو اسٹا بلشمنٹ ان ملکوں میں چلتا رہا ہے' وہ دھڑام سے گر جائے گا۔

خود ہمارا ملک بھی اس صورت حال کی زد میں ہے اور اسٹا بلشمنٹ میں آپس کی کھینچا تانی اسی لئے ہے کہ اس کے دن پورے ہوگئے ہیں۔ چنانچہ اینٹ سے اینٹ بج رہی ہے۔ صدر' وزیراعظم اور فوجی سربراہ کی تکون ایک دوسرے سے متصادم ہے' خفیہ ایجنسیوں کی ایک دوسرے سے جنگ چل رہی ہے' بیورو کریسی لسانی اور فرقہ ورانہ عصبیتوں کی بنیاد پر منقسم ہے' مختلف قسم کے مافیا ہیں جو اسٹا بلشمنٹ میں اتھل پتھل پیدا کررہے ہیں اور یہی صورت حال ہر مسلمان ملک کی ہے۔ جہاں بہت مضبوط شاہی خاندان ہیں وہاں بھی وہ

پھوٹ کا شکار ہیں اور پرانے حکمراں طبقہ کی بقاء ممکن نہیں رہی ہے ۔ یہ سب اسی سال نہیں تو اگلے سال ختم ہوجائیں گے لیکن ختم ہونے سے پہلے اپنی جمود پسندانہ روشن اور بیرونی آقاؤں کے آگے غلامانہ ذہنیت کے سبب کافی نقصان کر جائیں گے ۔ ایک بڑا نقصان تو ان کی وجہ سے یہ ہورہا ہے کہ صحت مند تبدیلیوں کا راستہ روکنے کے رویہ نے تبدیلیوں کے خواہش مندوں کو مریضانہ نفسیات اور غلط طریقوں کا شکار بنا دیا ہے اور انہیں تعمیری کی بجائے تخریبی راہ پر ڈال دیا ہے اور ایسے عناصر بھی ہیں جو چاہتے ہی تخریب ہیں ۔ انہیں حکمرانوں کے رویہ سے اپنی تخریب کاری میں مدد مل رہی ہے ۔ اس طرح اوپر نیچے دائیں بائیں ہر طرف سے نقصان رسانی کا سلسلہ جاری ہے ۔

عالم اسلام میں جو لوگ تبدیلی چاہتے ہیں ' ان میں کیمونسٹ سوشلسٹ طبقہ تو وفات پاگیا البتہ اس کی بدروح مسلم معاشروں پر سایہ فگن ہے ۔ پہلے یہ ممکن تھا کہ یہ کیمونسٹ یا سوشلسٹ ایک نظام کی جگہ دوسرا نظام لے آتے ۔ اس امکان کے پیش نظر تبدیلی پسند لوگوں نے ان سے امید بھی باندھی مگر یہ امیدیں رائگاں گئیں ۔ عالم اسلام میں بائیں بازو کی تحریکات کے زور و شور کا ماحصل صدام اور اسد جیسے فوجی آمر تھے یا مختلف لسانی اور نسلی عصبیتوں کا خونی ٹکراؤ ہاتھ آیا اور اب مارکس ازم ' لینن ازم ' سوشلزم سب کچھ مر گیا ہے اور ان نظریات سے وابستہ مختلف گروہ اور دھڑے اس امید پر زندہ ہیں کہ امریکہ سیکولرازم کی بالادستی اور بنیاد پرست عناصر کو دبانے کے لئے ان کی خدمات حاصل کرے گا مگر امریکہ کو مسترد شدہ لوگوں کی کوئی ضرورت نہیں۔ پرانا دایاں بازو اور بایاں بازو دونوں ہی اس کے لئے فضول چیز ہیں اور وہ یہ گندگی کی پوٹ اپنے سر پر اٹھائے رکھنے کے لئے تیار نہیں ہے۔ آزاد منڈی کی معیشت اور پرائیوٹائزیشن کو چلانے کے لئے تو یہ لیفٹ بالکل ہی ناموزوں ہے البتہ امریکی اور مغربی نقطہ نظر سے لسانی عصبیتوں کے علمبرداروں کی ایک اہمیت ہے اور ایک کردار ہے ۔

دائیں بائیں میں جو لوگ بھی یہ کردار ادا کرنا چاہیں ' امریکہ کی نظر کرم ان پر ضرور ہوگی ۔ اس لئے لیفٹ کو پناہ مل سکتی ہے تو وہ لسانی نفرتوں کی گندگی میں مل سکتی ہے مگر یہاں بھی اسے قائدانہ مقام حاصل نہیں ہوگا ۔ وہ اس گدھا گاڑی میں محض بچ کے طور پر ہونگے اور گدھے ہانکنے والا بھی کوئی اور ہوگا ۔ پھر یہ کہ لسانی تعصبات کی تحریکیں بہرحال نئی دنیا تعمیر نہیں کرسکتیں ' پرانی دنیا کی توڑ پھوڑ کے لیے تو یہ مفید ہیں اور ان سے اس مقصد کے لئے کام لیا جاسکتا ہے اور لیا جارہا ہے لیکن پرانے فنا پذیر نظام کی جگہ نیا نظام قائم کرنا جذبہ تعصب کے بس میں نہیں ہے ۔ یہ تعصبات ایک کے بعد دوسرے سے ٹکرا کر خود ہی ختم ہوجائیں گے ۔ آنے والی اکیسویں صدی میں یہ کوئی مقام یا کردار حاصل نہیں کرسکیں گے اور کسی بھی ورلڈ آرڈر میں سموئے نہیں جاسکیں گے ۔ اس لئے ان کی منفی اور تخریبی اہمیت کے باوجود کوئی مستقل اہمیت نہیں ہے ۔

عالم اسلام میں مستقل اہمیت کا حامل طبقہ صرف وہ ہے جس کو بنیاد پرست ' کہا جاتا ہے ' یہی اسلام کی بنیاد پر سوچنے والا طبقہ موجود حکمرانوں کی جگہ لے سکتا ہے بشرطیکہ یہ دانشمندی ' شائستگی ' صبر اور حکمت سے کام کرے ۔ اس وقت ان لوگوں کے رویہ میں بھی محض جذباتیت ہے ۔ اسلامی تحریک نے شعور کی پختگی کا مظاہرہ نہ کیا اور جذباتی ہنگاموں میں سموگئی تو یہ عالم اسلام کی تقدیر کو سنوارنے کی بجائے مزید بگاڑ کا سبب ہوگی۔ یہ بہرحال طے ہے کہ عالم اسلام میں اب تبدیلیوں کا عمل انہی اسلامی بنیاد پرستوں کے ذریعے ہوگا اور اس حقیقت کو امریکہ اور یورپ کے مدبرین اور مصنفین نے بھی محسوس کرلیا ہے ۔ حال ہی میں سابق امریکی صدر رچرڈ نکسن کی کتاب آئی ہے Seize the Moment جس میں وہ اپنے اس پرانے دعوے کو دہراتے ہیں کہ اکیسویں صدی میں مغرب کا مقابلہ اسلام سے ہوگا ۔ انہوں نے کئی سال پہلے سپرپاور کی حیثیت سے روس کی موجودگی میں بھی کہا تھا کہ مزدکیت فتنہ فردا نہیں ' اسلام ہے اور اس کتاب میں بھی انہوں نے یہی لکھا ہے کہ امریکی خارجہ پالیسی کے لئے اکیسویں صدی میں سب سے بڑا چیلنج اسلام اور عالم اسلام ہوگا ۔ مگر اس بار انہوں نے یہ بات مختلف انداز سے کہی ہے ۔

رچرڈ نکسن کہتے ہیں کہ امریکہ کو اسلام اور عالم اسلام کی اہمیت سمجھ کر اس کو اپنانا ہوگا ۔ وہ اسلامی دنیا میں ایک فکری اور جذباتی وحدت کی طرف اشارہ کر کے اس کا تجزیہ یوں کرتے ہیں کہ یہ وحدت کسی پولٹ بیورو یا کسی مقتدر شخصیت ' حکومت یا ادارے کے کہنے پر نہیں ہے بلکہ یہ وحدت اس لئے ہے کہ مسلمانوں کی امت ایک ہے ' اس کا نفع بھی ایک ہے نقصان بھی ایک ' اور عالم اسلام کی سیاسی ثقافتی لہر کی جڑیں اسلامی تہذیب میں ہیں جو سارے عالم اسلام پر محیط ہے اور ہر جگہ یکساں سوچ اور جذبات پیدا کرتی ہے اور یہ اسلامی تہذیب کوئی معمولی چیز نہیں ہے ۔ نکسن بتاتے ہیں کہ جب ہمارا یورپ عہد تاریکی میں تھا تو اسلامی تہذیب نے ہمیں روشنی عطا کی ' اور سائنس ' طب ' فلسفہ کا پہلا سبق ہم نے مسلمانوں سے حاصل کیا ۔ وہ ایک مغربی مصنف کی کتاب کا حوالہ دیتے ہیں جس نے لکھا ہے کہ مسلمانوں نے اپنے عہد میں جدید دور کی تمام تر کلیدی ترقیاں حاصل کرلی تھیں ۔ ابن سینا ' رازی ' البیرونی ' الہیثم ' جابر بن حیان وغیرہ نے علم و سائنس کی دنیا بدل دی تھی ۔ یورپ نے مسلم سپین سے روشنی حاصل کی اور عالم اسلام ماضی کی طرح مستقبل میں بھی اپنی عظمت رفتہ کا مظاہرہ کرسکتا ہے بشرطیکہ وہ اپنی خانہ جنگیوں اور عدم استحکام پر قابو پالے۔

یہ مسلم تہذیب نئے دور میں ایک نئی جستجو میں ہے ' اپنی شناخت پھر سے قائم کرنا اور حاصل کرنا چاہتی ہے اور اسلامی قوت نے ہی ایشیا اور افریقہ میں نو آبادیاتی راج کا خاتمہ کیا ۔ اسلامی طاقت کچھ عرصہ غیر جانبداری ' عرب قوم پرستی اور جامد مذہبیت کی بھول بھلیوں میں مبتلا رہی ہے لیکن ۹۰ء کے بعد اس کا نیا دور شروع ہوا ہے اور یہ دنیا میں اپنا مقام متعین کرنے کی جدوجہد کر رہی ہے ۔ امریکہ کو اس پر مثبت طریقے سے اثر انداز ہونے کی کوشش کرنی چاہیے جس کے لئے سب سے پہلے یہ ذہنیت ترک کرنی ہوگی کہ چونکہ مسلمان سڑکوں پر مغرب کے خلاف نعرے لگارہے ہیں لہٰذا ہم انہیں مذہبی مجنوں یا خون آشام گروہ خیال کریں اور مسلمانوں کے بارے میں مخالفانہ رائے قائم کرلیں ۔ امریکہ کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اسلامی عقیدہ میں مسلم امہ کے لئے اتحاد کی قوت ہے ' یہ انہیں ایک زنجیر میں پروتا ہے ۔ عالم اسلام اور امریکہ کے درمیان تعلقات میں اسرائیل کی سرپرستی کی امریکی پالیسی بھی حائل رہی ہے اور امریکہ کو اب یہ سمجھنا چاہیے کہ اس کے لئے اہمیت عالم اسلام کی ہے اور اکیسویں صدی کے لئے یہ دوستی حاصل کرنے کی کوشش

کرنی ہوگی۔

امریکہ میں فارن پالیسی ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے ڈائریکٹر دانیال پائپس نے جب یہ رائے ظاہر کی کہ اسلامی بنیاد پرستی امریکہ کے لئے خطرہ ہے اور امریکہ کو اس کی راہ روکنی چاہیے تو کئی امریکی سکالروں نے اس خیال کو غلط بتایا مثلاً ہارورڈ یونیورسٹی کے ایس نیائنگ نے کہا کہ بنیاد پرستی ختم ہونے والی چیز نہیں ہے' اسے کوئی ختم نہیں کرسکتا اور امریکہ کو اس سے معاملہ کرنا ہوگا۔ جارج ٹاؤن یونیورسٹی کے مائیکل ہڈسن نے کہا کہ اسلامی بنیاد پرستی بظاہر مغرب کے خلاف نظر آتی ہے لیکن امریکہ کو اسے اپنا دشمن نہیں سمجھنا چاہیے اور یہ ممکن ہے کہ اسلام اور مغرب مل کر کام کرسکیں کیونکہ مذہب پر ہمارا بھی ایمان ہے اور ان کا بھی ہے۔ غرض مشترکہ اقدار پیدا ہوسکتی ہیں اور مغرب کو کسی صورت میں بھی اسلام سے تصادم نہیں مول لینا چاہئے جو اس کے مفاد کے خلاف ہوگا۔ اسلامی بنیادپرستی میں سوشل ویلفیئر اور اقتصادی آزادی کا تصور موجود ہے جو ہمارے لئے اہم ہے۔ ہولی کالج امریکہ کے جون سپو سیتو نے لکھا ہے کہ امریکہ جس طرح دنیا میں دوسری مقبول عام تحریکوں سے معاملہ کرتا رہا ہے' اس طرح اسلامی بنیاد پرست تحریکوں سے بھی معاملہ کرنا چاہیے بلکہ امریکہ کو ان تحریکوں کی حوصلہ افزائی کرنی چاہیے کیونکہ یہ تحریکیں جمہوریت کو بھی جزو ایمان سمجھتی ہیں۔ امریکن یونیورسٹی کی میری جین نے اپنے مقالہ میں لکھا ہے کہ اسلامی تحریکیں کثیر الجماعتی جمہوریت کی حمایت کرتی ہیں اس لئے امریکہ کو ان کی تائید کرنی چاہیے اور امریکہ کو مسلم ملکوں میں زیادہ سے زیادہ سرمایہ کاری کرنی چاہیے کیونکہ مسلمان ملکوں کے اقتصادی حالات کا بھی بنیاد پرستی سے گہرا تعلق ہے۔ امریکی کانگریس کی امور خارجہ کمیٹی کے چیئرمین مروین ڈائملی نے کہا کہ امریکہ کو اسلامی بنیاد پرست تحریکوں کو سمجھنا اور ان سے رابطہ قائم کرنا چاہیے۔ اس طرح کے اظہار خیال کے بعد ہی سوڈان کے اسلامی رہنما حسن ترابی کو امریکہ آنے کی دعوت دی گئی اور انہوں نے امریکی کانگریس کے سامنے اسلام کی وضاحت کی اور حسن ترابی کی تقریر کی سب نے تعریف کی۔

امریکی وزارت خارجہ کے کئی عہدیداروں' نائب وزیروں اور ترجمانوں نے بھی حال ہی میں اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ اسلامی بنیاد پرستوں سے ہمارا کوئی جھگڑا نہیں۔ ہم صرف یہ چاہتے ہیں کہ دہشت گردی نہ ہو' بنیادی انسانی حقوق کو مانا جائے اور کثیر الجماعتی سیاست اور جمہوریت رائج ہو۔ اگر یہ سب کچھ اسلامی بنیاد پرستوں کے ذریعہ ہوسکتا ہے تو ہمارے اور ان کے درمیان ٹکراؤ کی کوئی وجہ نہیں۔

یہ امریکی نقطہ نظر ظاہر ہے کہ نیا ہے اور ابھی ابھی سامنے آیا ہے جس کی یہ وجہ ہے کہ سارے عالم اسلام میں اسلامی تحریکوں نے اہمیت اختیار کر لی ہے اور یہ تحریکیں روز بروز توسیع پذیر ہیں۔ کویت کے انتخابات میں اسلامی جماعتوں کے کافی نمائندے کامیاب رہے' مصر میں بار ایسوسی ایشنوں کے انتخابات میں اخوان المسلمون کے وکیلوں نے کامیابی حاصل کی' لبنان و فلسطین میں بھی ان تحریکوں کا اثر بڑھ گیا ہے' وسطی ایشیا میں روس سے آزادی کے بعد اسلامی تحریکوں کا نیا زور دیکھنے میں آرہا ہے' ملائشیا کی ایک ریاست میں اسلامی قوانین نافذ کئے جارہے ہیں اور یہ سب کچھ بلاوجہ نہیں ہے' اس کے پیچھے احیائے اسلام کے لئے جدوجہد کرنے والے مفکرین اور جماعتوں کی نصف صدی سے زیادہ کی جدوجہد ہے جو اب پھل دے رہی ہے۔

لیکن یہ جدوجہد برباد بھی ہوسکتی ہے اگر تحریک محض جذبات کی ہنگامہ آرائی ہو۔ اس تحریک کے لئے فکری و عملی نوعیت کے کام کی اہمیت بنیادی ہے۔ یہ کام نہیں ہوگا اور تحریک عامیانہ سطح پر آجائیگی تو اپنی راہ کھوٹی کرے گی اور اپنی قوت بلاوجہ کے تصادم اور جھگڑوں میں ضائع کردے گی۔ اس لئے اسلامی تحریکوں کو اب دنیا بھر میں اپنے اوپر خود تنقیدی کے عمل سے گزرنا چاہیے ورنہ ان تحریکوں کے زور کا رائیگاں جانا ایک المیہ ہوگا اور یہ گویا عالم اسلام کے مستقبل کے لئے امیدوں کا خاتمہ ہوگا۔ OO

بقیہ ------ افتتاحیہ

خانے میں فائلوں کی قبروں میں دفن ہوجائیں گی۔ حکومت کا اب تک کا رویہ جس نے سندھ کے "آپریشن کلین اپ" کے دوران فوج کو گومگو کی کیفیت میں مبتلا رکھا' اسی امکان کے حق میں ہے اور خبروں کے تیور بھی یہ بتاتے ہیں کہ سندھ کے وزیراعلیٰ تو گن گن کر دن گزار رہے ہیں کہ کب بلی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹے۔ حقیقی اور غیر حقیقی ایم کیو ایم کی شناخت تو ابھی سے گڈمڈ ہوگئی ہے جبکہ فوج نے سندھ سے واپسی کی خواہش ہی کا اظہار کیا ہے' عملاً اپنی بساط لپیٹی نہیں۔ پرانی ایم کیو ایم کے ارکان صوبائی اسمبلی سے معاملات درپردہ غالباً" طے پاچکے ہیں کہ جام صادق کی جانشین صوبائی حکومت کی اقلیت کو ایوان میں پھر سے کیسے اکثریت دلائی جائے گی تاکہ بے غل وغش من مانیاں کی جائیں اور اپنی پیشرو حکومت کی روایات کو زندہ رکھا جاسکے۔

ستم ظریفی کی انتہا ہے کہ پردہ پوشی اور ہنڈیا کے منہ پر ڈھکنا ڈھک کر رکھنے کی یہ کوششیں اس صورت حال میں روا رکھی جارہی ہیں جب صدر غلام اسحٰق اور وزیراعظم نواز شریف کی حکومت اور فوج کے مابین ایک غیر محسوس کشمکش بھی جاری ہے۔ اشاروں کنایوں کے ذریعے اور سرگوشیوں میں بہت سی ناگفتنی باتیں سننے میں آتی ہیں جن سے وطن عزیز کے سیاسی افق پر ایک بار پھر بے یقینی کی دھند چھاگئی ہے اور سچ پوچھئے تو معاملات بے اختیار کسی انجانے ڈراپ سین کی طرف کھنچے چلے جارہے ہیں' مردہ بدست زندہ کی طرح۔ وزیراعظم نے اگرچہ چین میں پاکستانیوں کے اجتماع میں یہ کہہ کر دل خوش کردیا کہ پاکستان اب قرضے لینے والا نہیں بلکہ دینے والا ملک بن گیا ہے لیکن اس خوشی میں ملکی معیشت کے بھیانک وسنگین حقائق کی طرف سے آنکھیں بند کرلیں تو ہم اپنا ہی برا کریں گے۔ نظریات و معتقدات کے بلند بانگ دعوؤں کے ساتھ بے عملی بلکہ بدعملی کی موجودہ روش برقرار رکھ کر قوم میں صرف انتشار ذہنی پھیلایا جارہا ہے جو قوم کی تعمیر میں کام نہیں آتا' تخریب کا سبب بنتا ہے۔ داخلی سیاست میں رواداری اور مفاہمت کا ڈول ڈالنے کی اب تک کوئی تیاری نظر نہیں آتی اور بین الاقوامی منظر کو شاید ٹھیک سے دیکھ سکنے کی صلاحیت بھی ہم میں مفقود ہوتی جارہی ہے' اسے سمجھنے اور مناسب حال تدابیر اختیار کرنے کا مرحلہ تو بہت بعد میں آتا ہے اور وقت طلب بھی ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ حالات کی یہ تصویر لفظی کسی مبالغہ آرائی پر مشتمل نہیں کیونکہ اصل صورت حال کہیں زیادہ ہولناک ہے۔ آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے' لب پہ آسکتا نہیں۔ ہم بے لنگر کے جہاز کی طرح بلاخیز موجوں پر ڈولتے رہنے کے لئے خدشات و خطرات کے ناپیداکنار سمندر میں چھوڑ دئے گئے ہیں اور اصل المیہ یہ ہے کہ ناخدائی کی ذمہ داری ان لوگوں نے سنبھال لی ہے جن کا اس سفینے کے ڈوب جانے سے کچھ بگڑتا بھی نہیں کہ انہوں نے اپنے لئے کسی نہ کسی "لائف بوٹ" کا الگ سے انتظام کر رکھا ہے۔ مارے جائیں گے تو عامتہ الناس جن کا زیر آسماں کوئی اور ٹھکانا نہیں اور آرزوؤں امنگوں کا خون ہوگا تو ان لوگوں کی جنہوں نے اس ملک خداداد سے احیائے اسلام کے آغاز کی توقع کو دلوں میں جگہ دے رکھی ہے' جو آج بھی امید کے چراغ جلائے بیٹھے ہیں۔ OO

قارئین "ندائے خلافت" کی خصوصی توجہ کے لئے

ادھر یوں رہے یا ادھر وں رہے
وفا کی شکایت مگر کیوں رہے!

اقتدار احمد

بہت دنوں بعد میں ادارہ ندائے خلافت کی طرف سے قارئین کو براہ راست مخاطب کر رہا ہوں اور چونکہ اندازہ ہے کہ تاحال یہ حلقہ بڑی حد تک تنظیم اسلامی کے رفقاء اور تحریک خلافت کے معاونین پر مشتمل ہے لہٰذا مجھے کوئی لمبی چوڑی تمہید باندھنے اور چونکہ چنانچہ کے تکلف میں پڑنے کی بھی چنداں ضرورت نہیں۔ دائی سے پیٹ چھپانے کا فائدہ؟۔ "ندائے خلافت" کوئی کمرشل پرچہ نہیں اور اس سے میرا تعلق بھی کاروبار یا ملازمت کا نہیں بلکہ اپنے فرض کی ادائیگی کی وہ ہلکی سے ہلکی شکل ہے جو تحریک کی رفاقت کے حوالے سے مجھ پر عائد ہوتا ہے' تو سب سے پہلے اپنی کوتاہیوں کا ہی اعتراف کیوں نہ کروں۔ قارئین کو بھی شاید یہ گلہ ہو اور لکھنے والوں کو تو ضرور ہے کہ میں ان سے ذاتی رابطہ نہیں رکھتا تو اس لئے کہ خطوط نویسی میرے لئے اب آسان نہیں رہی یعنی اس کی عادت گویا چھوٹ گئی ہے۔ چلئے' میں اپنی اس کمزوری پر قابو پانے کی کوشش کرنے کا وعدہ کرتا ہوں' آپ لوگ دعا سے میری مدد فرمایئے اور پھر میری طرف سے تھوڑے لکھے کو بہت جان لیجئے گا لیکن میں شکایت پر آؤں تو ایک دفتر کھل جائے گا۔ اس کے لئے ذرا تیار ہو کر بیٹھئے!۔

"ندائے خلافت" کو آپ کی وہ توجہ حاصل نہیں جس کا وہ مستحق ہے۔ کچھ نہ ہوتے ہوئے بھی یہ پرچہ آپ کو بڑے سلیقے سے خاصا قیمتی مواد مطالعہ فراہم کرتا ہے' اس کی ضخامت بیس صفحات سہی لیکن اشتہارات کی تقریباً عدم موجودگی کے باعث یہ اپنی طرح کے جرائد سے دوگنا نہیں تو ڈیڑھ گنا زیادہ مضامین پیش کر رہا ہے جس میں تنوع کی بھی کمی نہیں۔ تنظیم و تحریک کی سرگرمیوں کی رپورٹیں ایک ڈیڑھ صفحے سے زیادہ نہیں ہوتیں جبکہ باقی پرچے میں آیات قرآنی اور احادیث نبویہؐ کی خوبصورت ترجمانی' قومی اہمیت کے امور پر غوروفکر کی دعوت' گہرے سیاسی تجزیے' عالم اسلام کے مسائل' تحریکی امور پر بحث و نظر کے علاوہ فوری اور وقتی اہمیت رکھنے والے موضوعات کو سمویا جاتا ہے' آپ کے چیدہ چیدہ خطوط اس پر ایک خوبصورت اضافہ ہیں اور کبھی کبھار نظم یا نثر میں کوئی ادب پارہ بھی پیش کر ہی دیا جاتا ہے۔ قارئین کی متوقع دلچسپی کے پیش نظر میں نے اپنے سفرنامے کا سلسلہ بھی از سرنو شروع کیا ہے جسے تمام ہوتے خاصا وقت لگے گا کیونکہ میری زندگی سفر سے عبارت رہی ہے۔ صبح سفر' شام سفر اور وہ سفر تو درپیش ہے ہی جو زندگی کو انجام سے ہمکنار کر دے گا۔ اس سفر پر نکلنے تک کوشش ہو گی کہ آپ کو بھی اپنے ساتھ ساتھ سیر کراتا رہوں۔ اخبارات و جرائد سے کام کی باتیں بھی مستعار لے کر حسب موقع آپ کی توجہ کے لئے شامل اشاعت کر لی جاتی ہیں۔ غرض خواہش یہ رہتی ہے کہ آپ اسے پڑھنے کے لئے اٹھائیں تو ایگ نہیں تو دو نشستوں میں پڑھ کر ہی چھوڑیں۔

یہ تو ظاہر ہے کہ دعویٰ ہی نہیں کہ پرچے کی افادیت میں مزید اضافہ نہیں کیا جا سکتا لیکن سوچنے کی بات یہ ہے کہ کیا قارئین کی توجہ اور ان کے عملی تعاون کے بغیر یہ ممکن بھی ہے؟۔ میرا خیال ہے کہ نہیں۔ آپ پرچے کے مشمولات کے بارے میں اپنی رائے سے نوازئے' بہتری کے لئے مشورے دیجئے' قلمی تعاون کیجئے اور سو باتوں کی ایک بات یہ کہ "ندائے خلافت" کو اپنا پرچہ سمجھئے تو کچھ ہی عرصے میں یہ کہیں سے کہیں جا پہنچے گا اور ان شاء اللہ اسے پہچاننا بھی مشکل ہو گا۔ کہتے ہیں نا' کہ ایک شخص نے بادشاہ کے دربار میں پہنچ کر دعویٰ کیا کہ پہاڑ کو سر پر رکھ سکتا ہوں اور جب ناکامی پر گردن کٹوانا منظور کر کے وہ اپنے کمال کا مظاہرہ کرنے کے لئے بادشاہ اور تماشائیوں کے ہجوم میں پہاڑ کے دامن میں پہنچا تو یہ کہہ کر سب کو بغلیں جھانکنے پر مجبور کر دیا تھا کہ اپنے درباری پہلوانوں کو حکم دیجئے' اسے اٹھا کر میرے سر پر رکھ دیں' نہ اٹھا سکوں تو گردن حاضر ہے۔ لیکن میں ایسی کوئی شرط پیش نہیں کر رہا' بہت معمولی سی توجہ کا طالب ہوں' مل جائے تو نتیجہ از خود آپ کے سامنے آ جائے گا۔

"ندائے خلافت" کا مالی نقصان ادارے کے لئے ناقابل برداشت ہوتا جا رہا ہے۔ اس کی قیمت برائے نام ہے جبکہ معیاری کمپوزنگ' عمدہ چھپائی

اور اچھے کاغذ کا خرچہ مسلسل اضافے کی طرف مائل ہے۔ اب ہم مجبور ہو گئے ہیں کہ آپ کی جیب پر بھی تھوڑا سا بوجھ بڑھائیں۔ آئندہ اس کا سالانہ زرتعاون سب کے لئے یکساں شرح پاکستان میں دو سو روپے ہو گی۔ (جبکہ بیرون ملک یہ شرح لوح میں الگ سے درج کی جا رہی ہے) اور فی پرچہ قیمت پانچ روپے کی جا رہی ہے۔ جن شرائط پر اسے رعائتی شرح سے دیا جاتا تھا' انہی پر رعائتی قیمت اب دو روپے کی بجائے تین روپے ہو گی۔ کیا یہ قیمت زیادہ ہے؟۔ آپ اخبار پر کیا روزانہ چار روپے خرچ نہیں کر رہے؟۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ آپ اپنے دوستوں اور حلقہ تعارف میں "ندائے خلافت" کو پھیلائیں کیونکہ اس طرح آپ ایک جریدے کو نہیں بلکہ ایک پیغام کو لوگوں تک پہنچا رہے ہوں گے۔ اپنا پرچہ بھی پڑھ کر کسی دوست کے حوالے کر دیجئے۔ ذرا تکلف کا پردہ حائل ہے اور وہ خریدنے پر آمادہ ہو جائے تو جو فالتو پرچے آپ نے لئے ہیں' ان میں سے ایک اپنی لاگت پر ہی پیش کر دیجئے تاہم اگر بے تکلفی ہے تو دھڑلے سے پوری قیمت وصول کیجئے بلکہ چند اور پرچے اس کے حوالے کیجئے کہ بھائی' اب انہیں آگے پہنچاؤ ---- پلے سے پیسے دے کر پہنچاؤ یا جو چاہو قیمت وصول کرو۔ اس گر کو آپ آزمائیں تو ہفتوں کے اندر اندر "ندائے خلافت" کی اشاعت دگنی چوگنی ہو جائے گی' خرچ پورا ہونے لگے گا اور نفع یہ ہو گا کہ آپ کی بات وسیع تر حلقے میں پہنچے گی اور فی الحال جھوٹوں ہی مان لیجئے' کچھ دنوں میں آپ اپنی آنکھوں سے دیکھ بھی لیں گے کہ آپ کے دوست احباب "ندائے خلافت" کا باقاعدہ انتظار کرنے لگے ہیں۔

تو پھر میں توقع رکھوں کہ میری یہ آواز صدا بصحرا ثابت نہیں ہو گی؟۔ چاہتا ہوں کہ آپ حضرات مجھ پر حجت تمام کردیں' "ندائے خلافت" کو اتنا عام کر کے چھوڑیں کہ پھر محنت اور مزید محنت کے سوا میرے پاس بھی کوئی چارۂ کار نہ رہے! اور ہاں اس کے لئے صرف ایک ہلہ کافی نہیں' آپ کو یہ رسم وفا مستقل طور پر نبھانی ہوگی کہ وفاداری بشرط استواری اصل ایماں ہے۔○

رفیق محترم جناب اقتدار صاحب' دامت فیوضکم' السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

"صحرا ماہی تدبر" کے تازہ ترین شمارے میں مولانا امین اصلاحی صاحب کا انٹرویو راقم نے بھی پڑھا تھا جس کے آخر میں مولانا موصوف نے محترم ڈاکٹر صاحب کی ذات' انکی دعوت دینی اور ان کی مساعی کے متعلق جس اسلوب و انداز سے تنقیص فرمائی ہے' وہ اسلوب و انداز ایک عالم دین کو تو کجا ایک عامی پڑھے لکھے شخص کو بھی زیب نہیں دیتا۔ اس پر مستزاد یہ کہ ان کے "شاگرد رشید" جناب خالد مسعود صاحب نے حاشیہ میں جو "حاشیہ آرائی" فرمائی ہے' اسے تو "تمسخر و استہزا اور لمز" کے علاوہ کوئی دوسرا نام دیا ہی نہیں جا سکتا جس کی سورۃ الحجرات میں شدید ممانعت آئی ہے اور ان کے مرتکبین کے بارے میں یہاں تک فرما دیا گیا ہے کہ **ومن لم یتب فا ولئک ھم الظلمون** ○

ایک دینی دعوت اور اس کے داعی کی شخصیت کو مجروح کرنے کی اس حرکت پر جہاں انتہائی قلبی رنج و صدمہ اور ذہنی کوفت ہوئی' وہاں ان حضرات کے لئے یہ دعا بھی نکلی کہ اللہ تعالی ان کو حق کو حق دیکھنے کی سعادت کی توفیق عطا فرمائے۔

ان کرم فرماؤں کی طرف سے "یہ کرم فرمائی" کوئی نیا اقدام نہیں۔ اس سے پہلے ۷۶ء میں پاکستان گیر پیمانے پر ایک زبردست مہم کے طور پر یہ کام انجام دیا جاچکا ہے جس کا ذکر مولانا موصوف کے انٹرویو میں موجود ہے کہ انہوں نے ایک خط کے ذریعہ سے اپنے زعم کے مطابق "ڈاکٹر صاحب کی پول کھول دی تھی"۔ یہ خط بلا مبالغہ لاکھوں کی تعداد میں بالخصوص انجمن' تنظیم کے ارکان' رفقاء' ہمدردان' معاونین اور وابستگان میں پھیلایا گیا تھا۔ پھر اسی کی شرح و توضیح میں جناب خالد مسعود صاحب کا "اسرار نامہ" کے نام سے ایک کتابچہ شائع کر کے اسے بھی معقول پیمانے پر پھیلایا گیا تھا۔ اس کا ذکر بھی ان "حاشیوں" میں موجود ہے جو موصوف نے اس انٹرویو کے فٹ نوٹ کے طور پر تحریر کئے ہیں۔

نیتوں کا حال تو صرف علیم بذات الصدور ہی جانتے ہیں' البتہ اسی بدیع وخالق سبحانہ نے انسان کو بھی یہ صلاحیت ودیعت فرمائی ہے کہ وہ حالات و واقعات کے تجزیے اور قرائن سے بھی کسی نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے۔ انسان کی یہ جبلی کمزوری ہے کہ جو کام وہ (بہت سے اسباب کے باعث) خود نہیں کر سکتا' عرصہ تک خود داعی رہا ہو اور اس کے لئے ایک جماعت سے وابستہ رہا ہو اور اس سے قطع تعلق کے بعد نئی جماعت بنانے کی کوششوں میں ناکام بھی رہا ہو تو جو نعمت و سعادت اس کو نہیں ملی' وہ اس کام کو دوسروں کو کرتے دیکھ کر اور اس نعمت و سعادت سے دوسروں کو بہرہ مند دیکھ کر "حسد" میں مبتلا ہو جاتا ہے جس سے پناہ طلب کرنے کی خود اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے سورۃ الفلق میں بایں الفاظ دعا کرنے کی تلقین فرمائی ہے **ومن شر حاسد اذا حسد**۔ راقم الحروف نے مولانا موصوف کے خط اور خالد مسعود صاحب کے "اسرار نامہ" کی ذاتی طور پر صرف نصرت الہی سے اپنی بے بضاعتی کے باوجود ان پر تبصرہ کیا تھا' جسے کتابی شکل میں "اظہار حقیقت" کے نام سے شائع کیا تھا۔ اس کے چند نسخے میری تحویل میں موجود ہیں' جو اصحاب مطالعہ کے خواہش مند ہوں وہ پانچ روپے کے بجائے صرف تین روپے کے ٹکٹ بھیجا کر راقم کے مندرجہ ذیل پتے سے طلب فرما سکتے ہیں جبکہ کراچی کے احباب تنظیم اسلامی حلقہ سندھ و بلوچستان کے دفتر نمود داؤد منزل نزد آرام باغ سے یہ کتابچہ حاصل کرسکتے ہیں۔

جمیل الرحمٰن (بھولا والا)

نمبر ۱۰۲ نیشنل اسکوائر کہکشاں اسکیم نمبر ۵' خیابان جامی۔ کراچی

محض دعوت و تبلیغ نے دین کو کبھی غالب نہیں کیا

کیا ہجرت مدینہ غلبہ دین تھی؟

یوں تو حجم میں سب سے بڑی دینی جماعت ہی واحد انقلابی جماعت ہے

غلام اصغر صدیقی

مجھے ذاتی طور اس بات کا تجربہ ہوا ہے کہ ہمارے معاشرے میں حجم کے اعتبار سے ایک بڑی دینی جماعت کے وابستگان سے جب بھی میں نے دریافت کیا کہ آپ اقامت دین یا اسلامی انقلاب کی بات کیوں نہیں کرتے تو ان میں سے اکثر نے یہی جواب دیا کہ ہم لوگوں کو دین کی دعوت دیتے رہیں تو ایک وقت آئے گا کہ لوگوں کی اکثریت دین پر عمل کرنے والی ہوجائے گی اور جب اکثریت نیک ہوجائے گی تو دین کا غلبہ خود بخود ہوجائے گا۔

بظاہر ان کی بات بڑی منطقی معلوم ہوتی ہے اور کڑی سے کڑی جڑتی معلوم ہوتی ہے۔ کم و بیش اسی فکر کو پچھلے دنوں "نوائے وقت" میں ایک فلسفی شخصیت نے پیش کیا۔ کسی فرد یا جماعت کے خلوص کو ایک طرف رکھتے ہوئے ہمیں تجزیہ کرنا چاہیے کہ کیا واقعی اسلام کا عادلانہ نظام صرف دعوت و تبلیغ سے قائم ہوسکتا ہے؟ اس کے لئے جملہ انبیاء کی تاریخ کے علاوہ بالخصوص نبی اکرمؐ کے منہج کا بنظر غائر مطالعہ کرنا ہوگا۔

اگر پہلے خالصتاً عقلی اعتبار سے جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ معاشرے کی عظیم اکثریت چونکہ کم فہم اور بے ہمت ہوتی ہے اور اس کے مفادات زمانے کے چلن، معاشرے کی رسومات اور طور طریقوں سے وابستہ ہوتے ہیں لہٰذا اکثریت کا کسی بھی دعوت کو قبول کرنا محال ہے۔ اگر ہم انبیاء کی تاریخ کا جائزہ لیں تو ایک لاکھ چوبیس ہزار میں سے شاید ہی کوئی نبی ہوں جن کی دعوت معاشرے کی اکثریت نے قبول کی ہو۔ حضرت نوحؑ نے ساڑھے نو سو سال حق تبلیغ ادا کیا لیکن معاشرے سے معدودے چند افراد نے ان کی دعوت کو قبول کیا۔

واضح رہے کہ حضرت موسیٰؑ کی بعثت کے دو مقصد قرآن نے بیان کیے ہیں۔ ایک مقصد وہی جو دیگر انبیاء کا ہے اور دوسرا بنی اسرائیل کو فرعون سے نجات دلانا۔ لیکن بنی اسرائیل کی اتنی تعداد میں ان کے ساتھ جانے پر کسی کو مغالطہ نہ ہوجائے کہ شاید قوم کی اکثریت نے ان کی دعوت قبول کرلی تھی، نہیں ہرگز نہیں۔ اگر یہ بات ہوتی تو جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جہاد کے لئے پکارا تھا تو وہ لوگ یہ کیوں کہتے کہ اے موسیٰؑ جاؤ تم اور تمہارا رب جنگ کرو۔ پھر یہ کہ اس قوم پر پے در پے عذاب آئے جس کی وجہ یہی تھی کہ قوم کی اکثریت سرکش تھی، باغی تھی، دعوت کو رد کرنے والی تھی، الغرض سابقہ انبیائے کرام میں سے شاید ہی کوئی نبی ایسے ہوں جن کی دعوت کو پوری قوم یا لوگوں کی اکثریت نے قبول کیا ہو۔

اب اگر ہم منہج انقلاب نبویؐ کا جائزہ لیں تو بات بڑی واضح ہے کہ آپؐ نے بھی دعوت کا آغاز تن تنہا کیا لیکن تیرہ سالہ محنت شاقہ کے نتیجہ میں ایک سو یا اس سے بھی کم افراد نے دعوت قبول کی تھی۔ اب اگر کوئی شخص یہ کہے کہ حضرت مصعب بن عمیرؓ کی دعوت و تبلیغ کے نتیجہ میں اوس و خزرج کے ارباب حل و عقد اسلام میں داخل ہوگئے تھے اور محض دعوت کے نتیجے میں یثرب کا اقتدار حضور کو مل گیا تو ایسے شخص کے مطالعہ تاریخ پر ماتم کرنے کو جی چاہتا ہے کہ یہ بہت بڑی جسارت ہے۔ اگر اس فلسفہ انقلاب کو صحیح مانا جائے تو پھر مندرجہ ذیل سوالات فوراً ذہن میں ابھرتے ہیں۔

۱۔ اہل یثرب کی دعوت حضورؐ نے قبول کی اور ہجرت کر کے صحابہ کرامؓ کے ساتھ مدینہ چلے گئے تو کیا اس طرح دین غالب ہوگیا تھا؟ ظاہر بات کہ کوئی بھی شخص ہوش و حواس کے ساتھ یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس سے اللہ کا دین غالب ہوگیا تھا۔

۲۔ اگر دین محض دعوت و تبلیغ سے کل کا کل اللہ کا ہوسکتا ہے تو یہ جو قرآن مجید میں فرمایا کہ جنگ کرو اللہ کے راستے میں یہاں تک کہ دین کل کا کل اللہ کا ہوجائے، تو پھر اس کا کیا مطلب ہے؟ یہاں پر تو یہ ہونا چاہیے تھا کہ اتنی دعوت دو کہ اللہ کا دین غالب ہوجائے۔

۳۔ اگر عدل و قسط والا نظام محض دعوت و تبلیغ سے قائم ہوسکتا تو پھر سورۃ الحدید کی آیت نمبر ۲۵ میں جو فرمایا کہ ہم نے لوہا بھی اتارا ہے اس کا کیا مقصود ہوگا؟

۴۔ اگر حضورؐ کے یثرب آنے سے انقلاب آگیا تو پھر کیا غالب قوم بھی ایسے معاہدے کرتی ہے جیسے صلح حدیبیہ کے موقع پر ہوا؟ اور اس سے پہلے یثرب پہنچتے ہی آپؐ نے یہود سے جو معاہدے کئے، کیا حکمران اپنی رعایا سے ایسے عہد و پیمان کرتے ہیں؟

۵۔ اگر محض دعوت و تبلیغ سے اوس و خزرج کی اکثریت مسلمان ہوگئی تھی تو پھر جنگ بدر میں مسلمان اتنی قلیل تعداد میں کیوں تھے؟

حضور اگر دعوت پیش کرنے والے ہوں تو کون بدبخت ہوگا جس کی سمجھ میں نہ آئے۔ یہاں تو قول و فعل کی یک رنگی اور یکسانیت بھی اپنے نقطہ عروج پر تھی تو پھر لوگوں کی اکثریت نے دعوت کو قبول اس لئے نہیں کیا کہ ان کے مفادات اس پورے نظام کے ساتھ وابستہ تھے۔ اسی لئے تو سورۃ الصف آیت نمبر ۹ کے آخری حصے میں فرمایا کہ "ولو کرہ المشرکون" چاہے مشرکوں کو کتنا ہی ناگوار ہو۔ آج معاشرے کے اندر خیر کی دعوت

(باقی صفحہ ۱۸ پر)

کیا بازار حصص ایک نیا سکینڈل بن کر سامنے آئے گا؟

سٹاک مارکیٹ میں "مندے" کے گورکھ دھندے

نئی نئی کمپنیوں کے حصص میں عوامی سرمایہ کاری کے رجحان کا نتیجہ کیا رہا؟

پاکستان میں سرمایہ کاری کا موسم بہار پچھلے دنوں کچھ عرصے کے لئے آیا تو جسے دیکھو اپنی پونجی سمیٹ کر بلکہ زمین جائیداد بیچ کر سٹاک مارکیٹ کی طرف بھاگ رہا تھا کہ نئی پرانی کمپنیوں کے زیادہ سے زیادہ حصص خرید لے۔ دیکھتے ہی دیکھتے حصص کی قیمتیں آسمان سے باتیں کرنے لگیں لیکن اب خاصی دیر سے "مندا" چل رہا ہے اور باخبر حلقے خائف ہیں کہ کل کلاں بازار حصص کا مندا بھی ایک اور سکینڈل کے شکل میں سامنے آکر کوئی نیا دھماکہ نہ کرے۔ ہمارے قارئین کے لئے اس تحریر کا مطالعہ مفید ہوگا جو سٹاک مارکیٹ کے گورکھ دھندے سے واقف نہیں۔ اظہر محمود صاحب کا یہ تعارفی مضمون روزنامہ جنگ' کے شکریے کے ساتھ پیش کیا جا رہا ہے۔ (مدیر)

حصص کی مارکیٹ میں "مندی" کا رجحان ایک اسکینڈل کی صورت اختیار کر گیا ہے اور وفاقی وزیر خزانہ مسٹر سرتاج عزیز' کارپوریٹ لاء اتھارٹی کے چیئرمین میاں ممتاز عبداللہ کی یقین دہانیوں کے باوجود حصص کے کاروبار میں "توازن" یا تیزی" دونوں سرے سے پیدا نہیں ہو رہی ہیں اور پہلی مرتبہ پاکستانی اسٹاک مارکیٹ اخباری کارٹون کی زد میں بھی آگئی ہے۔

۱۹۹۲ء کے آغاز سے ہی بازار حصص میں قیمتوں میں کمی آنا شروع ہوگئی تھی اور ذمہ دار حلقوں نے اس وقت ہی بتادیا تھا کہ حصص کی مارکیٹ میں "بدلے" کے کاروبار کی وجہ سے ممبرز کی جانب سے حد سے زیادہ وعدے ہوگئے ہیں' مارکیٹ اب گرے گی' "بدلے" کا کاروبار کیا ہے؟ اس کی ذرا تفصیل اسٹاک مارکیٹ کے کاروبار میں حصہ نہ لینے والوں کے لئے یہ ہے کہ یہ بھی کالعدم فنانس کمپنیز کے طرز پر کاروبار ہے یعنی آپ ممبرز کو مقرر رقوم جمع کرادیں ممبرز ان رقوم سے حصص کے کاروبار میں سرمایہ کاری کریں گے اور جو بھی منافع ہوگا اس میں سے سرمایہ کار کو مقررہ منافع کی شرح تقسیم کردے ۔ یہ "سلسلہ" اس وقت شروع ہوا جب مارکیٹ میں نئی نئی کمپنیز کے حصص کا اجراء شروع ہوا اور ممبرز نے ان حصص میں سرمایہ کاری کے لئے اپنے پاس فنڈز نہ ہونے کی وجہ سے اور بینکوں میں اپنی قرضوں کی "حد" نہ ہونے کی وجہ سے "عام پبلک" سے ایک طریقے سے قرضہ حاصل کرنا شروع کردیا۔ اگر ان ممبرز کی مطلوبہ ساکھ ہوتی تو انہیں بینکوں سے قرضہ مل جاتا مگر انہوں نے عام لوگوں کی رقوم سے شیئر مارکیٹ کو "سیل مارکیٹ" بنادیا۔

پرائیوٹائزیشن کمیشن کے چیئرمین لیفٹننٹ جنرل (ریٹائرڈ) سعید قادر پہلے شخص ہیں جنہوں نے کراچی اسٹاک ایکسچینج کے بورڈ آف ڈائریکٹرز سے خطاب کرتے وارننگ دی تھی کہ حصص کے کاروبار میں اضافہ کے ساتھ ساتھ حصص کی مالیت میں کمی نہیں ہونی چاہیے اور انہوں نے واضح طور پر کہہ دیا تھا کہ اگر ایسا ہوا تو مارکیٹ پر پاکستانی افراد کے علاوہ غیر ملکی سرمایہ کاروں اور فنڈز نے جس اعتماد کا اظہار کیا ہے وہ "خراب" ہوگیا تو اعتماد کی بحالی میں خاصا عرصہ لگ جائے گا ان کا یہ خدشہ بالکل درست ثابت ہوا اور آج لوگ اسٹاک مارکیٹ کے بارے میں طرح طرح کی باتیں کرنے لگے ہیں۔

دراصل اسٹاک ایکسچینج میں "بدلے" کے کاروبار کے خاتمے کے لئے اسٹاک ایکسچینج کے کاروبار کو سرکاری طور پر کنٹرول کرنے والے ادارے کارپوریٹ لاء اتھارٹی نے بھی کچھ نہیں کیا ۔ دسمبر ۱۹۹۱ء میں کراچی کے ایک فائیو اسٹار ہوٹل میں مضاربہ کمپنیز کے بارے میں ہونے والے ایک سیمینار میں جب میں نے کارپوریٹ لاء اتھارٹی کے چیئرمین میاں ممتاز عبداللہ کی توجہ اس "بدلے" کے کاروبار کی جانب دلائی تو انہوں نے اسے "غیر قانونی" قرار تو دیدیا مگر اسے روکنے کے لئے کوئی کارروائی نہیں کی اس وقت ایکسچینج کے سابق صدر مسٹر جہانگیر صدیقی نے "بدلے" کے کاروبار کو قانونی قرار دیا اور کہا کہ اس کی اجازت ایکسچینج کے قوانین میں موجود ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اسٹاک ایکسچینج کے

معاملات کے بارے میں سینیٹر پروفیسر خورشید احمد کی قیادت میں جو کمیٹی قائم کی گئی اس نے بھی صرف عام لوگوں کی تحریری شکایات وصول کیں اور دو اجلاس منعقد کرکے "خاموش" ہوگئی۔ دوسرے اجلاس میں کارپوریٹ لاء اتھارٹی کے چیئرمین میاں ممتاز عبداللہ نے جو وضاحت کی، کمیٹی اس سے مطمئن ہو کر رہ گئی۔ میں نے کمیٹی کے چیئرمین پروفیسر خورشید احمد کو بتایا کہ حصص کے کاروبار کی مندی کی وجہ "بدلے" کا کاروبار ہے تو مجھے اس کی تفصیل بتانا پڑی اور جب میں نے انہیں بتایا کہ کویت اسٹاک ایکسچینج کی "بربادی" جو دس سال قبل ہوئی تھی، اسی وجہ سے ہوئی تو وہ فوراً معاملات سمجھ گئے مگر انہوں نے اس سلسلے میں قوانین میں تبدیلی کے لئے اسٹینڈنگ کمیٹی کے ذریعے کارپوریٹ لاء اتھارٹی پر دباؤ ڈالا اور نہ آج یہ صورت حال پیدا ہوتی۔

اسٹاک ایکسچینج کے صدر مسٹر عارف حبیب انویسٹمنٹ کارپوریشن آف پاکستان کی جانب سے ڈیویڈنڈز کے اعلان کی تقریب میں غیر رسمی بات چیت کرتے ہوئے یہ کہہ رہے تھے کہ "اب ہمارے تجزیہ نگاروں نے ان حسابی کتابی فارمولوں سے منہ موڑ لیا ہے جس کی بنیاد پر وہ کمپنیز کی مالیاتی صحت کا تجزیہ کیا کرتے تھے" مسٹر عارف حبیب نے جو سب سے اہم بات کہی وہ یہ تھی کہ یہ فارمولے اس وقت قابل عمل ہوتے ہیں جب کمپنیز کے حساب کتاب درست ہوں، اگر ایسا نہیں ہے تو پھر تو فارمولے بیکار ہیں۔ اس گفتگو سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ پاکستانی اسٹاک مارکیٹ کتنی کمزور بنیادوں پر کھڑی ہے۔ جہاں تک مضاربہ کمپنیز کا تعلق ہے، کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ ان کمپنیز کے حصص کے کاروبار میں زبردست "سٹے بازی" نہیں ہوئی اور ان کمپنیز کے حصص کے کاروبار کی تعداد اور حصص کی قیمتوں میں کوئی "تعلق" نہیں تھا۔ یہ سٹے بازی جسے ایکسچینج کے صدر خوبصورت زبان میں "اوور کممٹمنٹس" کہتے ہیں، کس نے کی، سرمایہ کاروں نے یا ممبرز نے؟ تو پھر اب مضاربہ کمپنیز کے حصص کی قیمتوں میں زبردستی مندی پیدا کرکے چھوٹے اور درمیانہ درجے کے سرمایہ کاروں میں تشویش کی "لہریں" کیوں دوڑائی جارہی ہیں؟

"اوور کممٹمنٹس" کی ایک اور مثال حاضر ہے۔ میسرز دیوان سلمان کے حصص کی قیمتوں میں اتار چڑھاؤ ایک ہزار فیصد رہا اور اس سٹے بازی میں حصہ لینے والوں نے ایک ہزار فی صد تک منافع کمایا یا نقصان کیا اس کاروبار میں حصہ لینے والے ممبرز اور بعض سابق عہدیداروں کے ملوث ہونے کی اطلاعات شائع ہوئیں تو کارپوریٹ لاء اتھارٹی نے انکوائری شروع کردی۔ اسٹاک ایکسچینج نے انکوائری میں تعاون کرنے سے انکار کردیا بلکہ بورڈ آف ڈائریکٹرز کے سی ایل اے سے تحریری سفارش کی کہ یہ انکوائری ختم کردیں اور وجہ یہ بیان کی کہ اس سے حصص کا کاروبار متاثر ہوگا۔ جب سی ایل اے اس بلیک میلنگ میں نہ آئی تو کہا گیا کہ چونکہ نوٹس اسٹاک ایکسچینج کو دیا گیا ہے، ملوث انفرادی ممبرز اس نوٹس کا انفرادی جواب نہیں دیں گے۔ جب انفرادی نوٹسز دیئے گئے تو انکوائری آفیسر سے "گول مول" رپورٹ بنوا کر ارسال کردی گئی اب سی ایل اے کے ممبر مسٹر خلیل مسعود نے کہا ہے کہ وہ اس سارے "معاملے" کی کراس چیکنگ کرائیں گے اور "ٹرانسپرنٹ" کو یقینی بنائیں گے۔ کارپوریٹ لاء اتھارٹی نے کراچی، لاہور اسٹاک ایکسچینج کو ہدایت کی کہ وہ حصص کے کاروبار کی بکنگ سے لے کر ڈلیوری تک کو "ٹرانسپرنٹ" یعنی کسی ہیر پھیر کے بغیر یقینی بنانے کے لئے دنیا بھر کی طرح مخصوص کمپنیز کے کاروبار کی کمپیوٹرائزڈ ٹریڈنگ شروع کردے، سی ایل اے اس ہدایت کو کئی ماہ قبل جاری کرچکی ہے مگر دونوں ایکسچینجز اپنی اس ہدایت پر عمل درآمد کروانے میں سرے سے ناکام ہوگئی۔ عام سرمایہ کاروں کا کہنا ہے کہ جب حصص کا کاروبار ٹرانسپرنٹ نہیں ہوگا تو حصص کے کاروبار میں غیر ملکی تو کجا ملکی سرمایہ کار بھی سرمایہ کاری نہیں کریں گے تو کہیں خدانخواستہ اسٹاک مارکیٹ کالعدم فنانس کمپنیز کی طرح بھوتوں کے ڈیرے نہ بن جائیں۔ اب اسٹاک ایکسچینج والوں نے ایک نئی وجہ یہ بیان کی ہے کہ اسٹیٹ بینک نے جو پروڈنشل ریگولیشنز نافذ کئے ہیں اس کی وجہ سے بھی اسٹاک ایکسچینج میں "مندی" آئی ہے۔ اسٹیٹ بینک کے ڈپٹی گورنر مسٹر صبغت اللہ نے فیڈریشن آف پاکستان چیمبرز آف کامرس اینڈ انڈسٹری کے زیر اہتمام پروڈنشل کے بارے میں ایک اجلاس کے دوران اسٹاک ایکسچینج کے صدر مسٹر عارف حبیب کے سوال کے جواب میں کہا تھا کہ "حصص کی مارکیٹ میں جو کمی ہوئی ہے اور جو تیزی آئی تھی وہ حقیقی ہے؟" تو اسٹاک ایکسچینج کے صدر نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا اور خاموش ہوگئے۔ انہوں نے مزید کہا کہ ہم نے حصص کی سیکورٹی کے بدلے قرضوں کی فراہمی کا وہی معیار مقرر کیا ہے جو پیرس (فرانس) میں ہے اور امریکہ میں ہے پھر سب سے اہم بات یہ ہے کہ ممبرز کو مارکیٹ اکانومی میں اپنی ذاتی مالی حیثیت کے مطابق بینکوں سے قرضے ملیں گے اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ پاکستانی اسٹاک مارکیٹ میں مارکیٹ کے ممبرز نے کبھی بھی بینکوں سے حاصل کی جانے والی رقوم کو حصص کے کاروبار میں "توسیع" کے لئے استعمال نہیں کیا ہے اور خود اسٹیٹ بینک آف پاکستان کے اعداد و شمار کے مطابق ممبرز کی جانب سے حصص کی سیکورٹی کے بدلے قرضوں کے حصول اور پھر دوبارہ ان کی اسٹاک مارکیٹ میں سرمایہ کاری کا تناسب مجموعی مارکیٹ کی مالیت کے لحاظ سے کبھی بھی ۲ سے ۵ فی صد تک نہیں رہا۔ ہماری بنیادی گزارش ہے کہ اسٹاک ایکسچینج کے عہدیدار اور کارپوریٹ لاء اتھارٹی کے عہدیداران مارکیٹ میں مسلسل مندی کی حقیقی وجوہات جنہیں ان کا بخوبی علم ہے، پر نظر رکھیں اور اس سلسلے میں ضروری قانون سازی اور قوانین سازی کریں اور دوسرے مرحلے میں ان پر انتظامی اقدامات کریں۔

اجلاس میں یہ بھی بتایا کہ حصص کی مارکیٹ کنٹرول کرنے والے قوانین یعنی کمپنیز آرڈیننس اور سیکورٹیز اینڈ ایکسچینج لاز پر نظر ثانی کے مسودے کو حتمی شکل دے دی گئی ہے تاکہ کارپوریشن سیکٹر پر "موثر ریگولیشن" ہوسکے۔

ان "ترامیم" کی حقیقت یہ ہے کہ ۱۹۹۸ء کی دھائی میں جب سے یہ آرڈیننس نافذ ہے، اس کی لاتعداد خامیوں کی نشاندہی کی گئی تھی۔ اب ۱۹۹۰ء کی دہائی کے تین سال گزر گئے ہیں۔ "نظر ثانی" کی کاغذی کارروائی جو گزشتہ ۵ سال سے شروع ہوئی تھی اب تک مکمل نہیں ہوسکی ہے۔ دراصل سی ایل اے کی بیورو کریسی کو مڈل کلاس انوسٹرز کے مستقبل سے کوئی اور سرے سے دلچسپی نہیں ہے۔ کارپوریٹ لاء اتھارٹی کے چیئرمین کی موجودگی میں ہونے والے ایک سیمینار میں ایک حقیقت پسند کمپنی لاء کے ماہر نے سی ایل اے کو "شترمرغ" سے تعبیر کردیا جس پر چیئرمین ہنس کر رہ گئے۔ سی ایل اے غیر ضروری طور پر "حقائق" کو چھپاتی ہے اور ایسے ایسے افراد کو اسٹاک مارکیٹ میں حصص فروخت کرنے کی اجازت دیدی گئی ہے جنہوں نے بینکوں کے ۶۰، ۶۰ کروڑ روپے اور ۷۰، ۷۰ کروڑ روپے ادا کرنا ہوتے ہیں۔ جب وہ بینکوں کو ان کی رقوم واپس نہیں کرسکتے تو وہ کمپنیز کو کس طرح منافع بخش طریقے سے چلا کر حصص یافتگان کو منافع تقسیم کریں گے؟ سی ایل اے کے اعلیٰ حکام کا کہنا ہے کہ مارکیٹ اکانومی میں انوسٹرز کو اپنا نفع و نقصان پیش نظر رکھ کر حصص خریدنے چاہئیں یا فروخت کرنے چاہئیں۔ سوال یہ ہے کہ ان کمپنیز کے اسپانسرز نے حصص فروخت نہ ہونے کی صورت میں فروخت نہ ہونے والے حصص کی "انڈر رائٹنگ" یا تو بذات خود کر رکھی ہوتی ہے یا پھر بینکوں یا مالیاتی اداروں کے ایگزیکٹوز سے ملی بھگت سے کروا رکھی ہوتی ہے۔ جب لوگوں نے بینکوں کا اصل قرضہ واپس نہیں کیا تو "قرضے پر قرضے" کس طرح واپس کریں گے کارپوریٹ لاء اتھارٹی کے حکام کو کھلی معیشت کا نعرہ اپنی غلط کاریوں کو چھپانے کے لئے استعمال نہیں کرنا چاہیے اور بیورو کریسی تو ہر سیاسی حکومت کے مقاصد کے مطابق بیانات دینے یا بریفنگ دینے کی اتنی "ماہر" ہوتی ہے کہ وہ ہر حکومت میں سیدھے سادھے عوام کو بے وقوف بنانے میں کامیاب ہوجاتی ہے۔ ہمیں امید ہے کہ وزیراعظم

محمد نواز شریف کارپوریٹ لاء اتھارٹی کے حکام کی اس "غلط تعبیر" کا سخت نوٹس لیں گے اور ان سے اس کی وضاحت طلب کریں گے یا پھر ہمارا سوال یہ ہے کہ کیا امریکہ اور یورپ کی اوپن اکانومیز میں ان کے سیکورٹیز ایکسچینج کے ادارے ہاتھ پر ہاتھ دھرے "کارپوریٹ کرائمز" میں بذات خود شریک ہوتے ہیں؟؟ کیا وہ عام سرمایہ کاروں کے مفادات کا تحفظ نہیں کرتے؟۔

اجلاس میں سی ایل اے کے چیئرمین نے انکشاف کیا ہے کہ سی ایل اے نے ۳۷ر کمپنیز کی جانب سے پریمیم پر شیئرز کے اجراء کی درخواستوں میں صرف ۲۶ر کمپنیز کو اجازت دی ہے اس کا کریڈٹ سی ایل اے کی بجائے کراچی اسٹاک ایکسچینج کے صدر مسٹر عارف حبیب اور ان کے ڈائریکٹرز کو جاتا ہے جنہوں نے اپنے اور مارکیٹ کے ممبرز کے مفاد کی خاطر سی ایل اے پر دباؤ ڈالا کہ وہ نئی کمپنیز کو سرے سے اجازت نہ دے اور اگر دے تو ان کی حقیقی مالیت کے تعین کے بعد ورنہ سی ایل اے میں تو اجازت ناموں کے بقول شخصے سائیکلو اسٹائل ڈھیر رکھ دیئے گئے تھے خود ہی اجازت نامہ بھر دو اور اس پر دستخط کرالو۔

جہاں تک شیئرز کی جعلی درخواستوں کی روک تھام کے مسئلے کا تعلق ہے اس مسئلے پر گزشتہ ۵ر سال میں بڑی شدت آگئی ہے۔ ۵ر سال میں اربوں روپے نہیں تو کروڑوں روپے کے ہیر پھیر کے بعد ۵ر سال کی طوالت اور پھر اس ضمن میں قائم کی جانے والی کمیٹی کی رپورٹ کو شائع ہوئے کئی ماہ گزرنے کے باوجود سی ایل اے اب آکر کوئی کارروائی کررہی ہے تو وہ عام سرمایہ کاروں پر کوئی احسان نہیں کرہی ہے۔ یہ اس کو ٹرانسپرنٹ بنائے اور اس ضمن میں تمام بنیادی انتظامی اقدامات کرے۔

کمپنیز کے رجسٹرارز کی جانب سے حصص کی رجسٹریشن سے لے کر ڈلیوری کے عمل میں جو نئی مشکلات پیدا ہوئی ہیں' سی ایل اے اس ضمن میں رجسٹراز پر حصص کی رجسٹریشن سے لے کر ڈلیوری اور پھر ڈیویڈنڈ کی بروقت اور درست تقسیم کے بارے میں بھی قواعد سازی فوراً کرے اور جرمانوں اور بلیک لسٹنگ کا احتسابی عمل شروع کرے ورنہ کرپشن کا ایک نیا سلسلہ جو ابھی ابتدائی مراحل میں ہے' ایسا پھیلے گا کہ سی ایل اے اس پر قابو نہ پاسکے گی۔ کراچی اسٹاک ایکسچینج کے ممبرز کا کہنا ہے کہ اب رجسٹرارز کا عملہ بھی اپنی کمیشن مانگتا ہے۔

مندی کے رجحانات کے بارے میں جس سب سے شدید خطرے بلکہ خدشے کا اظہار جنرل ریٹائرڈ سعید قادر نے کیا تھا وہ اب پورا ہو رہا ہے۔ ۵ر ستمبر ۱۹۹۲ء کو ہونے والے اجلاس کے بعد جو سرکاری پریس نوٹ جاری کیا گیا اس میں تسلیم کیا گیا کہ "اب

(باقی صفحہ ۱۸ پر)

موچی دروازے میں ان کے ذوق خود نمائی کی تسکین ہوگی ـــــ اور یہی ان کا مطلوب ہے۔

بلاسود بینکاری کا نظام پیش کرنے کی یہ بے سود کوشش ہے۔

طاہر القادری کے پاس سود کا کوئی متبادل نہیں۔

ادارہ منہاج القرآن کے ایک سابق عہدیدار جناب محمد خان قادری کے خیالات

س☆ آپ بتائیں گے کہ جناب قادری موچی دروازے میں کیا پیش کررہے ہیں؟

ج○ میرا ذاتی خیال ہے کہ جناب قادری بیع موجل کی بنیاد پر "بلاسود بنکاری" کا خاکہ پیش کریں گے۔ چند سال قبل "بلاسود بنکاری" کے نام سے انہوں نے ایک کتابچہ لکھا تھا۔ حیلہ شرعی کی بنیاد پر "بلاسود بنکاری" کا ایک عبوری خاکہ پیش کیا تھا' لیکن یہ خاکہ عملاً علماء نے مسترد کردیا تھا۔ جناب محمد طاسین نے عبوری خاکہ پر زبردست اعتراضات کئے اور اسے سودی نظام ہی قرار دیا تھا۔

کچھ عرصہ قبل' میں نے جناب قادری سے علیحدگی اختیار کرلی تھی۔ اس وقت تک صورت یہ تھی کہ کوئی دانشوروں کا سیل موجود نہ تھا کہ "بلاسود بنکاری" کے نظام میں پیش رفت کرتا۔ اب بھی وہی صورت ہے خود قادری صاحب نے کبھی کوئی انوکھا نکتہ نہیں پیش کیا۔ میں نہیں سمجھتا کہ جناب قادری کوئی نئی بات کریں گے۔ البتہ ان کے ذوق خود نمائی کی ضرور تسکین ہوگی اور میرا خیال ہے یہی مطلوب ہے۔

س☆ "بلاسود بنکاری" میں جو اصول واضح کئے گئے ہیں کیا وہ شریعت اسلامیہ سے مطابقت رکھتے ہیں؟

ج○ جناب قادری نے "بلاسود بنکاری" میں جو کچھ کہا ہے' وہ کوئی نئی بات نہیں۔ کئی علما نے حیلہ شرعی کو بنیاد بنایا ہے لیکن میں سمجھتا ہوں کہ یہ سود ہی کی ایک شکل ہے اور لوگوں نے اسے یوں ہی استعمال کیا ہے۔ جناب رفیع اللہ شہاب نے سود کے جواز میں "بلاسود بنکاری" کا حوالہ دیا ہے۔ انہوں نے اپنے مضامین میں جناب قادری پر سخت تنقید کی' انہوں نے یوں لکھا ہے۔ "ہمارے علماء حضرات نے چند سال پہلے اس (سود) کے جائز ہونے کا فتویٰ دے دیا (ملاحظہ ہو "بلا سود بنکاری اور علامہ طاہر القادری" صفحہ ۱۰۱) اب علامہ صاحب نے موچی دروازے میں "بلا سود بنکاری" کے نظام کا خاکہ دینے کا اعلان کیا ہے' اگر وہ کوئی نیا نکتہ نکالتے ہیں تو انہیں یہ بھی بتانا چاہیے کہ کیا انہوں نے "بلاسود بنکاری" میں اپنے موقف سے رجوع کرلیا ہے۔ لیکن میں پھر یہ کہوں گا کہ میرا نہیں خیال کہ وہ کوئی نئی تجویز پیش کرنے جارہے ہیں۔

س☆ جناب قادری نے "بلا سود بنکاری" کے نظام کے خدوخال واضح کرنے کے لئے موچی دروازے کا انتخاب کیوں کیا۔ کیا یہ بہتر نہ تھا کہ وہ دانشوروں کے کسی اجتماع میں اپنا موقف بیان کرتے اور دانشوروں کے سوالات کا سامنا کرتے' ان کا جواب دیتے؟

ج○ یہ بات صحیح ہے مگر یوں ان کے ذوق خود نمائی کی تسکین نہ ہوتی۔ میں نہیں سمجھتا کہ کسی نے یہ اعتراض کیا کہ اسلام ناقابل عمل ہے۔ یہ ایک خود ساختہ چیلنج ہے' جو انہوں نے قبول کرلیا ہے۔ جن لوگوں نے انہیں یہ مشورہ دیا ہے کہ وہ غیر سودی بنکاری کا نظام موچی دروازے میں پیش کریں ان کی حماقت' جناب قادری کی حماقت سے کم ہے کیونکہ ان لوگوں نے تو مشورہ دیا اور قادری صاحب اگر چاہتے تو اس کو مسترد کردیتے۔ لیکن انہوں نے اسے قبول کرلیا اور یوں میرا خیال ہے کہ اپنی جگ ہنسائی کا بندوبست کرلیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ شاید ان کو احساس بھی نہیں ہے۔○○

(بشکریہ ہفت روزہ زندگی لاہور)

زبان یارِ من ترکی...

میناروں اور گنبدوں کا شہر---- استنبول

"دارالضیافہ" میں اب غریبوں کی نہیں ' سیاحوں کی آؤ بھگت ہوتی ہے

یہ مسجدیں اسی دن روئی کے گالے بنیں گی!

افتدار احمد

آئی ایم اے کے کنونشن کا یہ افتتاحی اجلاس تو ایک رسمی کارروائی تھی' بیس پچیس منٹ میں ختم ہو گئی اور گورنر استنبول کو اعزاز واکرام کے ساتھ رخصت کر دیا گیا۔ اس کے بعد مغرب تک ڈھائی ڈھائی گھنٹوں کے دو پیشہ ورانہ سیشن تھے جن میں مختلف امراض کی تشخیص اور علاج پر مقالے پڑھے جانے تھے اور ان پر مختصر بحث کے لئے بھی وقت کی گنجائش رکھی گئی تھی۔ مجھے ان سے بھلا کیا دلچسپی ہو سکتی تھی' برادر محترم کو بھی طب کے پیشے کو سلام رخصتی کئے اب بیس برس ہونے کو آتے ہیں اور دیکھنے میں آیا کہ ڈاکٹر خواتین وحضرات کی اکثریت بھی یہاں ان خشک لیکچروں سے بور ہونے کے لئے نہیں بلکہ سیر سپاٹے اور باہمی میل جول کے لئے آئی تھی جو امریکہ میں انہیں ایک دوسرے سے سینکڑوں میل کے فاصلوں پر رہنے اور اپنے اپنے معمولات میں بے تحاشا مصروفیت کے باعث میسر نہیں آتا۔ چنانچہ درجنوں سائنسی نشستوں میں حاضری کنونشن کے چھ کے چھ دن برائے نام رہی۔ مقالہ پڑھنے والے یا لیکچر دینے والے خواتین وحضرات کے علاوہ ان میں آئی ایم اے کے عہدیدار بیٹھنے پر مجبور ہوتے یا پھر معدودے چند کتابی کیڑے جنہیں موضوع زیر بحث سے کچھ زیادہ دلچسپی ہوتی تھی ورنہ مندوبین کی اکثریت اپنے وقت کا کوئی بہتر مصرف تلاش کر لیتی تھی۔

افتتاحی اجلاس کے بعد سائنٹیفک سیشن شروع ہو گیا لیکن ساری رونق ہال کے باہر وسیع وعریض راہداریوں میں منتقل ہو گئی تھی۔ لوگ ایک دوسرے سے ملتے' معانقے کرتے اور پرانی یادوں کو تازہ کر کے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ برادر محترم ڈاکٹر اسرار احمد کو بھی بہت سے جاننے والوں نے گھیر رکھا تھا جن میں سے اکثر انہیں شناسا تو معلوم ہوتے لیکن ان کا نام اور رہائش کے مقامات یاد نہ آتے اور وہ یقیناً الجھن محسوس کرتے ہوں گے۔ غنیمت ہے کہ اب ملاقات پر تعارف کا رواج سا ہو گیا ہے جس سے یہ مشکل حل ہوتی اور تجدید ملاقات کا مقصد پورا ہو جاتا تھا جو پھر وقت کے دھند لکے میں گم ہو کر رہ جائے گی' البتہ ان لوگوں کو وہ فوراً پہچان لیتے ہیں جن سے آشنائی ہم مقصدی کے حوالے سے ہے کیونکہ انہیں تو بس ایک دھن ہے جو ان کی جلوت وخلوت میں یکساں رچ بس گئی ہے۔ اچانک میں نے محسوس کیا کہ دو ترک نوجوان جن کے چہروں پر اسلامی جمعیت طلبہ برانڈ داڑھی ہے' انہیں اور مجھے بڑے اشتیاق سے دیکھ رہے ہیں لیکن قریب آنے کا موقع نہیں پا رہے۔ کچھ دیر میں انہوں نے محسوس کیا کہ برادر محترم تو ان کے ہاتھ نہیں لگیں گے جبکہ میں ذرا فاصلے پر تنہا کھڑا ہوں تو یہ سوچ کر کہ گندم اگر بہم نہ رسد' بھس غنیمت است' وہ دونوں میرے پاس چلے آئے۔ دونوں کے ہاتھوں میں کچھ فائلیں تھیں اور چہروں پر پراسرار سی مسکراہٹ۔ انگریزی بے چاروں کی بس واجبی سی تھی' ایسی ہی جیسی میں بول سکتا ہوں۔

ہماری منفرد وضع قطع سے ان نوجوانوں نے اندازہ لگایا تھا کہ ہم "مذہبی" قسم کے لوگ ہیں چنانچہ سرگوشیوں میں مجھے بتایا کہ ہم یہاں اسلامی جرائد شائع کرتے ہیں اور پھر فائلوں کی اوٹ میں رکھ کر ہی "اسلام" نام کے اپنے رسالے کی جھلکیاں دکھائیں جن کا بڑا حصہ ترکی زبان میں لیکن کچھ صفحات انگریزی میں بھی تھے۔ "ہم کئی اور پرچے بھی نکالتے ہیں' نوجوانوں کے لئے الگ' خواتین کے لئے الگ"۔ ان میں سے ایک نے کہا اور جب میں نے اسے بتایا کہ میں بھی مبینہ طور پر ایک ہفت روزے کا ایڈیٹر ہوں جو سیاسی سے زیادہ دینی ہے تو دونوں بہت خوش ہوئے لیکن ساتھ ہی ان کے چہروں پر رازداری کا سا تاثر ابھرنے لگا تو میں نے پیشکش کی کہ اس ہنگامے میں تبادلہ خیالات کا موقع نہیں مل رہا' کیوں نہ آپ لوگ گھنٹہ بھر بعد ہمارے کمرے میں تشریف لائیں جہاں کھل کر باتیں ہوں گی تو انہوں نے زیادہ ہی گرمجوشی کا اظہار کیا اور ہمارے کمرے کا نمبر اپنی ایک فائل کے اوپر ہی لکھ لیا۔ میں نے سمجھا تھا کہ وہ اسلام کی کسی احیائی تحریک کے ہراول دستے سے تعلق رکھتے ہیں اور ہمارے بارے میں شاید کچھ سن گن انہیں ملی ہے جس کے باعث ہمارے قریب آنا چاہتے ہیں تاکہ ایک دوسرے کے تجربات سے فائدہ اٹھائیں۔ دو دن بعد یہ خیال ہوا ہو گیا کیونکہ ایک ہی عجیب وغریب ملاقات میں جس کا حال آگے چل کر آئے گا' معلوم ہوا کہ وہ جامد مذہبیت میں ہی مست ہیں۔ سطحی مذہبیت کا معاملہ ہوتا تب بھی ایک بات تھی کہ کچھ عرصے میں شاید اونچی اڑان کی سوچنے لگیں گرچہ "آہ کو چاہئے اک عمر اثر ہونے تک"۔ اس وز بہرحال وہ ملنے نہ آئے' میں خاصی دیر کمرے میں ںد ان کے انتظار میں سوکھا کیا۔

اب رات کے نو بجے تک فراغت تھی جب الیا" میزبان سیاحتی کمپنی "دی آئی پی" یا ہوٹل مرمرہ لی طرف سے "مرحبا پارٹی" یعنی استقبالئے کی شکل ین ہمیں ایک عشائیے کے لئے سوئمنگ پول کے رومانوی ماحول میں جمع ہونا تھا۔ یہ وقت اپنے کمرے یں ٹی وی دیکھ کر گزارا۔ ترکی کے آٹھ دس چینل ' ی این این ' بی بی سی' اٹلی کے ٹی وی کا ایک چینل اور کسی دوسرے یورپی ملک کا ایک اور چینل جو لگاتار بارسلونا کے عالمی اولمپکس دکھا رہا تھا' ہمیں میسر تھے۔ ترکی کے ایک دو چینل انگریزی میں اور باقی سب مقامی زبان میں پروگرام نشر کرتے ہیں جن میں بچوں کی تعلیمی اور یکگانا دلچسپیوں سے لے کر نہایت مخدوش قسم کی چیزیں تک دکھائی جاتی ہیں۔ ان سے تو ہم "ریموٹ کنٹرول" کے بٹن دباتے گزر جاتے لیکن ی این این' بی بی سی اور بارسلونا میں کھیلوں کے مقابلے فارغ وقت کا اچھا مصرف مہیا کرتے رہے۔ پاکستان میں ان کے لئے وقت کہاں ملتا لیکن یہاں ان کھیلوں کو دیکھ کر اندازہ ہوا کہ مسابقت کے جذبے میں نوجوانوں نے کیا کیا مشقت مول نہیں لی۔ ہمارے ہاں جن کھیلوں کا رواج ہے اور جنہیں مقبولیت

حاصل ہوئی' ان کا اس مہم جوئی اور عقل کو دنگ کر دینے والے کرتبوں سے کیا مقابلہ جو عالمی او لمپکس میں دیکھے۔ یہ کھلاڑی جان "بناتے" ہیں اور جان پر کھیل بھی جاتے ہیں۔ ان کی ساری توجہ جسم پر ہے' تن سازی پر ہے' روح کی طرف کبھی خیال ہی نہیں گیا جسے انہوں نے گوشت پوست کی قبروں میں دفن کر دیا ہے جبکہ ہم جسم سے بھی غافل ہیں اور روح ربانی سے بھی شرمسار' نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے!۔

ہوٹل کی عارضی مسجد میں جو آخری دن ہماری وہاں موجودگی میں ہی پھر سے رقص کا کمرہ یعنی "بال روم" بن گئی تھی --- بہار چند روزہ آخر شد' مغرب اور عشاء کی نمازیں ملا کر باجماعت ادا کرنے کے بعد مرحبا پارٹی کا رخ کیا تو پتہ چلا کہ وہ اب "پول سائیڈ" پر نہیں بلکہ زیر زمین کنونشن ہال میں ہی ہوگی جس کا نقشہ ایک ڈیڑھ گھنٹے کے وقفے کے دوران میں ہی بدل دیا گیا تھا۔ ممکن ہے کہ پول سائیڈ پر کوئی اور تقریب بعد میں طے ہو گئی ہو جو اس کے مخصوص ماحول سے زیادہ مناسبت رکھنے والی ہو۔ بڑی بڑی گول میزوں کے چاروں طرف آٹھ آٹھ کرسیاں رکھ دی گئی تھیں اور ہر میز پر کم سے کم چار دوہرے" مینیو کارڈ" درمیانی شکن کے بل پر کھڑے کر دیے گئے تھے۔ اس مینیو کارڈ یعنی مشروبات وماکولات کی فہرست اور ترتیب بڑے ہوٹلوں' ریستورانوں بلکہ بین الاقوامی پروازوں بالخصوص فرسٹ کلاس میں بھی جسے اب بعض ہوائی کمپنیاں ایگزیکٹیو یا کلب کلاس کا نام دیتی ہیں (پی آئی اے میں یہ "سوہنی کلاس" ہے)' کا مقصد کیا ہوتا ہے؟۔ کہیں تو یہ کہ آپ دو دو متبادل چیزوں میں سے اپنی پسند کی ایک چیز کا انتخاب کر لیں' کہیں یہ کہ کھانے کے سامنے آنے والے حصہ کو اناپ شناپ نہ کھائیے تاکہ دوسرے حصوں کے لئے بھی پیٹ میں جگہ رہے اور کہیں مشروبات وماکولات کے فرانسیسی قسم کے ناموں سے مرعوب کرنا ہی مقصود ہوتا ہے جنہیں پڑھ کر میرے جیسے دیہاتیوں کو سمجھنے میں سخت دشواری پیش آتی ہے ورنہ معاملہ ہوتا وہی ہے کہ اونچی دکان' پھیکا پکوان لیکن بہرحال جب مغرب میں ان سے واسطہ پڑے جہاں حرام وحلال کی تمیز ہماری سب سے بڑی سردردی ہوتی ہے تو سوا مشکل ہے!۔

جرمن ایئرلائن "لفت ہانسا" سے ایک بار میں نے فرینکفرٹ سے جدہ کا سفر کیا اور یہ پرواز اگرچہ آگے عدیس ابابا تک جا رہی تھی تاہم بوئنگ ۷۰۷ میں کل بارہ پندرہ سواریاں تھیں' شاید واپسی پر زیادہ مسافر ملنے کی توقع ہو۔ رات کے کھانے کا مینیو دیا گیا تو اس میں آلو کے پارچوں اور مٹر کے ساتھ VEAL کو دیکھ کر ذرا تسلی ہوئی کہ اگر تلی ہوئی نہ ہوئی تو کھالوں گا کیونکہ آنتیں قل ہواللہ پڑھ رہی تھیں۔ حماقت یہ کی کہ اسے مچھلی کی کوئی قسم سمجھ بیٹھا تھا۔ ایئرہوسٹس کھانے کی ٹرے سامنے رکھ کر گئی تو وہ دو قتلے سفید گوشت کے تھے جسے بڑی مچھلی بھی سمجھا جا سکتا تھا۔ سلاد کھانے کے بعد میں نے چھری کانٹا سنبھالا اور گوشت پر ہاتھ ڈالنے ہی والا تھا کہ ٹھٹھک کر رک گیا۔ اطمینان نہیں ہو رہا تھا' نہ جانے کیا کھا رہا ہوں!۔ ناچار پھل اور سویٹ ڈش کھانے کے بعد صبر شکر کر کے بیٹھ رہا۔ جہاں ایک ایئر ہوسٹس کے حصے میں دو دو تین تین مسافر ہی آ رہے ہوں وہاں ان کے لئے کھانے والوں کی مشغولیت پر نظر رکھنا کیا مشکل تھا چنانچہ وہی خاتون جو مجھے ٹرے دے کر گئی تھیں' میرے پاس پہنچ گئیں اور پوچھا کہ میں نے اصل کھانا یعنی Main Course کیوں نہیں کھایا تو میں نے کہا کہ بی بی' اس گوشت کے بارے میں شبہ میں پڑ گیا ہوں' بھلا یہ ہے کیا؟۔ کہنے لگی کہ بچھڑے کا گوشت ہے اور جب میں نے بتایا کہ اسی وجہ سے میں معذور ہوں کہ یہ گوشت ہے تو ذبیحہ نہ ہوگا۔ وہ بے چاری سخت متعجب ہوئی' غالباً" میرے جیسے کسی مسافر سے اس کا سابقہ پہلے نہیں پڑا تھا۔ پھر افسوس کے ساتھ اظہار ہمدردی کرتے ہوئے اس نے پیشکش کی کہ کچھ سویٹ ہی آپ کو اور لادوں تو کام چل جائے گا اور تین چار سویٹ ڈشیں لے آئی تو میں غنیمت جانا تھا۔

مرحبا پارٹی کے مینیو میں انتخاب کی گنجائش نہ تھی' بس ایک مطبوعہ فہرست خوبصورت کارڈ میں سرخ ربن سے بندھی ہوئی تھی۔ "بوئرک" اور نوسین میں اس کا مفہوم چیز (پنیر) کی پیسٹری' موسمی سلاد' بھنا چھوٹا گوشت' پلاؤ اور ابلی ہوئی سبزی' بیٹھا جو "بفے" سے لینا تھا اور چائے یا کافی۔ مشروبات میں سافٹ ڈرنک یعنی سیون اپ قسم کی چیزیں' کوکا کولا اور آئرن جسے بیرے آئرن (فولاد) کہتے اور ہم سب بھی وہاں اپنے پورے قیام میں یہی نام لے کر اسے طلب کرتے رہے۔ یہ دہی کی لسی تھی' خالص پنجابی مشروب۔ ہماری میز پر بیٹھے ہوئے ساتھیوں نے بیٹھتے ہی سیون اپ اور کوک وغیرہ منگایا' ایک صاحب نے تجسس مٹانے کی غرض سے آئرن منگالیا تھا اور یہ لسی نکلی تو پھر تقریباً سب نے اس کا بھی ایک اضافی دور چلایا۔ ہماری میز پر دو "امریکی" ڈاکٹر فیصل آباد کے نواحی دیہات سے تعلق رکھنے والے تھے' لسی دیکھ کر ان کی پنجابیت کی رگ جو پھڑکی تو وہ سارے تکلفات بالائے طاق رکھ کر خالص دیہاتی زبان میں بہ آواز بلند جگت بازی پر اتر آئے اور کھانے کا لطف دوبالا ہوگیا۔ کھانا لذیذ تھا اور ہر چیز اتنے درست اندازے سے لا کر سامنے رکھی گئی کہ کچھ بچانہ مزید طلب کرنے کی حاجت ہوئی جسے مہیا کرنے کے لئے مستعد بیرے تیار کھڑے تھے۔ اصل امتحان میں تو بیٹھے کے بفے نے ڈالا۔ اٹھ کر ادھر گئے تو پھلوں کے علاوہ کم سے کم دس چیزیں کام و دہن کی آزمائش کے لئے موجود تھیں' آدمی کیا لے کیا نہ لے!۔ تھوڑی تھوڑی مقدار میں چار چیزیں بہت کچھ دیکھ بھال کے بعد میں نے بھی اپنی پلیٹ کو خانوں میں تقسیم کر کے رکھیں۔ ہر چیز مزے میں دوسری سے بڑھ کر پائی۔ پیٹ میں کچھ اور جگہ ہوتی تو حوصلے آزمانے کا ابھی بڑا موقع تھا' واحسرتا!۔ میں نے چائے کافی پر لعنت بھیجی' اب کون منہ کے اس ذائقے کو خراب کرے جو اتنے لذیذ کھانوں نے منہ میں گھول دیا ہے!۔

عشائیے کے دوران ہی کنونشن چیئرمین ڈاکٹر طور نے اعلان کیا کہ کل صبح وزیراعظم ترکی جناب سلیمان ڈیمریل آئی ایم اے کے وفد کو ملاقات کا شرف بخش رہے ہیں اور اپنے نہایت قیمتی وقت میں سے پندرہ منٹ انہوں نے عنایت کئے ہیں۔ فلاں فلاں حضرات تو وفد میں شامل ہوں گے ہی' کوئی اور صاحب خواہشمند ہوں تو وہ بھی اپنا نام لکھادیں اور کھانے کے بعد جمع ہو جائیں تاکہ صبح کا پروگرام بتا کر ملاقات کی نوعیت طے کر لی جائے۔ برادر محترم کا نام ان کی اعلان کردہ فہرست میں شامل تھا لیکن انہوں نے معذرت کر لی کہ محض زیارت کا مجھے کوئی شوق نہیں البتہ ڈاکٹر ابراہیم یزدی کو بڑے اصرار سے ساتھ رکھا گیا تھا اور اگلے روز انہی کی زبانی ملاقات کی مایوس کن رپورٹ سننے کو ملی۔ بتایا کہ دونوں طرف سے رسمی اظہار سپاس کے بعد خود ڈاکٹر یزدی نے بوسنیا کے مسلمانوں کی طرف وزیراعظم کی توجہ مبذول کرائی تو ان کی پیشانی پر بل پڑ گئے --- "یہ ہمارا نہیں' پوری عالمی برادری کا مسئلہ ہے۔ ہم یو این او سے کہہ رہے ہیں کہ اس علاقے میں حالات کو اس درجے خراب نہ ہونے دے"۔ اور ڈاکٹر یزدی ہی کے اصرار پر کہ کچھ امداد تو انہیں ہماری آپ کی طرف سے بھی جانی چاہیے' وہ زیادہ ہی برا مان گئے۔" ہم معاملے کو پیچیدگی سے محفوظ رکھنا چاہتے ہیں"۔ بس یہی دو کام کی باتیں ہوئیں' کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی!۔

اگلی صبح جمعہ کا دن تھا جس میں معمول کے سائنٹفک سیشن کے بعد جس سے ہم نے تعلق رکھا ہی نہیں' دوپہر سے شب تک سبھی پروگرام بڑے پرکشش تھے۔ ٹھیک بارہ بجے دوپہر لگژری بسوں کے ذریعے نماز جمعہ کے لئے مسجد سلیمانیہ جانا تھا جس سے ملحق "دارالضیافہ" ریستوران میں ظہرانہ اور پھر مشہور زمانہ ایاصوفیا کے عجائب گھر کی سیر۔ مسجد سلیمانیہ میرے اندازے میں دنیا کی عظیم ترین مسجد ہے۔ مسجد اقصیٰ تو دیکھنے کی حسرت ہی ہے البتہ تصویروں سے اندازہ ہوتا ہے اور ان لوگوں سے سنا جو ۱۹۶۷ء سے پہلے وہاں ہو آئے کہ اس کا تقدس' اپنی

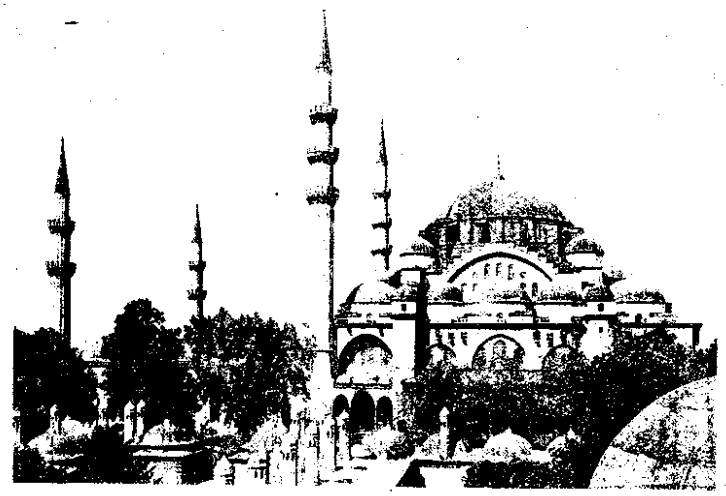

مسجد سلیمانیہ: جامع یعنی مسجد کو جدید ترکی زبان میں CAMII لکھا جاتا ہے۔

جگہ، مسقف رقبہ اور شان و شکوہ کچھ غیر معمولی نہیں "مسجد حرام کو مسجد کی بجائے کعبے کا سٹیڈیم کہنا زیادہ درست لگتا ہے اور ویسے اس کا نقشہ اور طرز تعمیر روایتی مسجدوں کا سا ہے بھی نہیں چاہے خود وہ دنیا بھر کی مسجدوں کا قبلہ ہی کیوں نہ ہو اور مسجد نبویؐ کی بات ہی اور ہے --- ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر--- لیکن سلطان سلیمان اعظم (اول) نے ہنگری کی فتح کے بعد اپنے سب سے پرانے محل کی حدود میں جس مسجد کی تعمیر کی، وہ آج بھی سلطنت عثمانیہ کی سطوت و عظمت پر ایک برہان قاطع ہے۔ سلطان کے محل کے تو اب نشان بھی باقی نہیں، صرف کتابوں میں ذکر ملتا ہے لیکن اس مسجد کے بارے میں یہاں دوستوں کے سامنے میں نے اپنا یہ تاثر بیان کیا کہ باوجود اس کے کہ جدید جمہوریہ ترکی اس کی بس اسی قدر واجبی سی جھاڑ پونچھ کی طرح کی دیکھ بھال کررہی ہے جو غریب حکومتیں عام تاریخی عمارات کی کرسکتی ہیں، تاہم مسجد سلیمانیہ اسی روز منہدم ہوگی جس دن پہاڑ روئی کے گالے بن کر اڑنے لگیں گے۔ میں نے عمر بھر اینٹ پتھر سے تعمیر کا کام کیا اور کرایا ہے، تعمیری مواد کی پائیداری اور مختلف عمارتی ڈھانچوں (Structures) کی ساخت پر منحصران کی مضبوطی کا اندازہ رکھتا ہوں۔ گہرے مشاہدے کے بعد پورے اعتماد سے کہہ رہا ہوں کہ مسجد سلیمانیہ پر ساڑھے چار صدیاں ذرہ برابر بھی بوسیدگی طاری نہیں کرسکیں اور سلاطین و خلفائے عثمانیہ کی بنائی ہوئی اکثر مساجد بھی ان شاء اللہ ہمیشہ سربلند رہیں گی۔ ہاں، رنگ و روغن کا معاملہ جدا ہے کہ "حسن خوب رویاں عارضی ہے" اور طویل وقفوں کے بعد سہی، تجدید طلب کرتا ہے، مشاطگی کا محتاج ہوتا ہے۔ میرے دماغ میں سویا ہوا معمار (انجینئر کہتا ڈرتا ہوں کیونکہ ڈگری میرے پاس نہیں) یہ سطور لکھتے ہوئے انگڑائی لے کر اٹھ بیٹھا ہے لہٰذا اس کی تعبیری تفصیلات پر بھی روشنی ڈالنی پڑے گی جسے میرے قارئین دلچسپی لے کر پڑھیں گے لیکن اسے کسی اگلی قسط پر اٹھا رکھتا ہوں کہ بات خاصی لمبی ہے۔

مسجد کے پانچ دروازوں میں سے کسی ایک کے ذریعے ہم اندر داخل ہوئے۔ صدر دروازے کو تمیز کرنا بھی آسان نہیں لیکن باقی چار میں سے اس دروازے کو پہچاننا اور یاد رکھنا تو بہت ہی مشکل ہے جس سے آپ داخل ہوئے ہیں کیونکہ وہ ایک سے ہیں اور چونکہ جمعہ کی نماز کے لئے مسجد تقریباً بھرتی جارہی تھی لہٰذا آدمی ہجوم میں گم سا بھی ہوجاتا ہے۔ جوتے رکھنے کے لئے دیز قالین کی ہر تین چار صفوں کے بعد درمیان میں لکڑی کے لمبے ٹرے ٹائپ ڈبے ایک دوسرے کے ساتھ جڑے ہوئے پڑے ہیں۔ پہلی نظر میں سمجھ نہیں سکے کہ قبلہ کا رخ کیا ہے کیونکہ سامنے ایک بلند بالکنی سے خطیب صاحب بزبان ترکی وعظ فرمارہے تھے لیکن منبر و محراب ان کے آس پاس دکھائی نہ دئے جو قبلے کی سمت کو متعین کرتے ہیں۔ ساؤنڈ سسٹم اچھا تھا اور علاوہ عربی آیات مبارکہ اور احادیث شریفہ کے ترکی جملوں میں سے بھی کوئی نہ کوئی لفظ پلے پڑ ہی جاتا تھا۔ ہم درمیان میں خلاء تلاش کر کے نمازیوں میں سے آہستہ آہستہ راستہ بناتے آخر وہاں پہنچ گئے جہاں خطیب صاحب کو دیکھنے کے لئے سر اٹھانا پڑتا تھا، دائیں جانب محراب نظر آئی جس کے ایک طرف ذرا ہٹ کر منقش لکڑی کا بڑا سا منبر رکھا تھا، رکھا کیا کھڑا تھا! یہ بلا مبالغہ چار پانچ فٹ چوڑا اور پچیس تیس فٹ لمبا تھا جس کے آخری پلیٹ فارم پر پہنچنے کے لئے سات آٹھ انچ اونچی کم و بیش تیس ہی سیڑھیاں چڑھنی پڑتی ہیں جس کے بعد خطیب فرش سے بیس فٹ کے لگ بھگ بلند ہوجاتا ہے۔ پیچھے مڑ کر دیکھا تو بارہ چودہ فٹ بلندی پر موذن و کبیر کی بالکنی تھی جس سے ملحق چوڑے عمود (پلر) پر حضرت بلال رضی اللہ عنہ لکھا ہوا تھا۔ (بعض مساجد میں یا حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے الفاظ بھی دیکھے)۔ بلندیوں پر میسر ہر نمایاں جگہ آیات قرانی، کلمات طیبہ و شہادت، اسمائے حسنیٰ، حضورؐ کا نام گرامی اور آپ کے جان نثاروںؓ کے نام ایسی ایسی خوبصورت اور دلکش ونادر خطاطی میں رنگوں کے حسین امتزاج کو کام میں لا کر ثبت کئے گئے ہیں کہ طغروں میں بھی کیا ہوتے ہوں گے۔ اسلامی اور قرآنی آرٹ کے یہ نمونے صدیوں پرانے ہیں اور دنیا میں جہاں بھی آپ کو یہ نظر آئیں، جان لیجئے کہ اسی اصل کی نقول ہیں جس کی تیاری میں یہاں دل و جگر خون ہوئے، انگلیاں فگار ہوئیں۔

ہم تحیۃ المسجد کی دو رکعت پڑھ کر بیٹھ گئے اور میں تو عمارت کے شکوہ اور حسن کا نقشہ ذہن میں جمانے کی غرض سے پھر گردن گھماتے رہنے اور نگاہوں کو آزاد چھوڑ دینے پر مجبور تھا، دوسروں نے شاید وعظ کو سمجھنے کی کوشش کی ہو۔ خطیب صاحب کی تقریر ختم ہوئی تو وہ اپنی اسی بالکونی میں قبلہ رو ہو کر بیٹھ گئے اور اب کبیر کی بالکنی میں بیٹھے ہوئے ایک کلین شیو معمر موذن کھڑے ہوئے جو سر پر سفید جالی کی ٹوپی کے نیچے انگریزی سوٹ زیب تن کئے ہوئے تھے۔ انہوں نے پہلے بڑے دلکش الحان میں تعوذ و تسمیہ کے بعد وہ آیت قرآنی پڑھی جس کا مفہوم ہے" بے شک اللہ اور اس کے فرشتے نبیؐ پر صلوٰۃ بھیجتے ہیں، اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو، صلوٰۃ و سلام بھیجو ان پر تسلیمات کے ساتھ"۔ پھر اسی تسلسل میں درود ابراہیمی پڑھا اور ازاں بعد ذرا سے توقف کے ساتھ وہی اذان دی جس سے ہمارے کان آشنا ہیں۔ اذان سے فارغ ہو کر وہ باآواز بلند متعلقہ مسنون دعائیں ہی پڑھ رہے تھے کہ ایک اور خطیب خراماں خراماں منبر کی سیڑھیاں چڑھتے نظر آئے۔ میں نے محسوس کیا کہ بڑے خطیب و امام یہی ہیں، واعظ صاحب غالباً ان کے نائب تھے۔ دونوں متوسط عمر کے تھے، دونوں کی داڑھیاں متشرع لیکن تقریباً سیاہ اور درمیانی لمبائی کی تھیں، دونوں سوٹ پر سیاہ لمبا جبہ پہنے ہوئے اور سر پر قرینے سے بندھی ہوئی سیاہ پگڑیاں رکھے ہوئے تھے۔ خطیب صاحب منبر کے پلیٹ فارم سے پانچ چھ سیڑھیاں نیچے ہی گویا تھک کر بیٹھ گئے اور موذن کی آواز کے ڈوب جانے پر وہیں کھڑے ہو کر انہوں نے عربی زبان میں وہ خطبہ پڑھا جو ہم اہل سنت ہر مسجد میں سنتے ہیں پھر کبیر سے اقامت کی آواز بلند ہوئی جس کے دوران امام صاحب منبر کے زینے سے اتر کر محراب میں اپنے مصلے پر پہنچ چکے تھے۔ جمعہ کے دو فرضوں کے بعد انہوں نے سلام پھیرا تو ساتھ ہی کبیر سے اللھم انت السلام و منک السلام..... کے

ساتھ دعاؤں کا طویل سلسلہ شروع ہوگیا اور وہ رکا تو امام صاحب نے ہاتھ اٹھا کر اسے پھر سے جوڑ دیا۔ کچھ دیر بعد لاؤڈ سپیکر خاموش ہوگئے تو نمازیوں نے اٹھ کر سنتیں اور نوافل کی ادائیگی شروع کی جن کی تعداد وہی تھی جو ہمارے ہاں مروج ہے۔ لوگ تقریباً ایک ساتھ ہی فارغ ہوئے اور مکبر سے پھر مسنون دعائیں بلند ہونے لگیں جو آخر میں آمین' یارب العالمین کے بعد ایک بار پھر تلاوت قرآن میں بدل گئیں اور نمازیوں نے آہستہ آہستہ اپنی جگہ چھوڑ کر دروازوں کا رخ کرنا شروع کردیا--- دروازوں پر ظاہر ہے کہ اژدہام تھا چنانچہ باہر نکلنے میں کچھ دیر بھی لگی اور اس پورے عرصے کے دوران مسجد میں قرآن کی آواز ہی گونجتی رہی --- واضح رہے کہ مساجد کا ساؤنڈ سسٹم باہر صرف اذان کے لئے استعمال ہوتا ہے ورنہ باقی سب آوازیں اندر ہی رہتی ہیں۔ مجھے یہ ساری تفصیل بس ایک بار بیان کرنی تھی کیونکہ وہاں مسجدوں میں ہر جگہ یہی معمولات تھے جو ہمارے یہاں سے قدرے مختلف ہیں اور عربوں کے انداز سے تو خاصے ہی مختلف اور طویل تر۔

ایک اور بات کا ذکر بھی اسی حوالے سے آجائے ورنہ رہ جائیگی۔ ترکی میں مساجد کے خطیب' امام' موذن و مکبر (اور خدام تو ظاہر ہے کہ لازماً) سب کے سب سرکاری ملازم ہیں اور خطباء و ائمہ کو یہ مخصوص وضع قطع جس کا ذکر اوپر آیا صرف مسجد کی حدود کے اندر رکھنے کی اجازت ہے ورنہ مسجد سے نکلتے ہوئے انہیں اپنے کمرے (چیمبر کہہ لیجئے کیونکہ حجرے کے لفظ سے قدامت پرستی کی بو آتی ہے) میں جاکر جبہ و عبا اور اس سیاہ پگڑی سے آزاد ہوجانے کی ہدایت ہے جو کلف والی سخت سفید ٹوپی پر بڑے سلیقے سے جمی ہوتی ہے اور اسے اتار کر رکھنا اور پھر سے پہن لینا کسی بھی ٹوپی یا ہیٹ کی طرح آسان کام ہے۔ باہر نکل کر وہ "صاحب بہادر" ہوتے ہیں اور ان کی کوئی شناخت باقی نہیں رہتی کیونکہ داڑھی تو خال خال ویسے بھی استنبول تک میں نظر آجاتی ہے گویا زندگی کو مذہب کے سائے سے بچا کر رکھنے کا پورا اہتمام ہے' مسجد' گرجا اور سناگاگ میں آپ جو چاہیں کرتے پھریں!۔

نماز سے فراغت کے بعد اب ہمیں "دارالضیافہ" کا رخ کرنا تھا جو مسجد سلیمانیہ ہی کی توسیع ہے۔ سلاطین کے عہد میں یہاں وسیع انتظامات کے تحت سال کے ۳۶۵ دن ہر وقت کھانا تیار ہوتا اور کسی بھی بھوکے کو پیش کرنے کے لئے موجود رہتا تھا' وہ کوئی یتیم ہو' بیوہ ہو' ضعیف ہو' نادار ہو' غریب طالب علم ہو یا مسافر لیکن اب یہ ایک پوش اور مہنگا ریستوران ہے۔ جس میں عمارت کو جوں کا توں رکھ کر صرف آرائش Decoration میں جدت پیدا

استنبول کے "دارالضیافہ" کے دو اندرونی مناظر: عمارت' کھڑکیوں دروازوں سمیت ساڑھے چار سو سال قدیم ہے جس میں جدید ریستوران نے اب ایک نیا نقشہ جمایا ہے۔ پس منظر میں مسجد کے مینار دیکھے جاسکتے ہیں۔

کی گئی ہے۔ صحن میں ایک ترچھی شافٹ میں پرویا ہوا وہ تراشیدہ گول پتھر بھی جوں کا توں ہے اور خاص خاص موقعوں پر اب بھی برائے نمائش استعمال ہوتا ہے جس سے خشک مصالحے پیسنے کا کام لیا جاتا تھا۔ کھانا پیش کرنے والی اور اشارے کی منتظر رہنے والی لڑکیاں وہ لباس پہنتی ہیں جو شاہی محلات اور حرم سراؤں میں خادماؤں اور کنیزوں کے لئے مخصوص تھا۔ زیور بھی وہی جو پہلے شاید سونے کا ہوتا ہو' اب چاندی کا ہے۔ شوخ سرخ رنگ کی ٹخنوں تک غرارہ نما "میکسی" پر اسی رنگ میں جسم سے چپکی ہوئی لیکن کلائیوں اور گلے تک بند قمیص اور اوپر ایک دوپٹہ سا جو سینے کو تو نہیں ڈھانپتا البتہ سر پر پہنچ کر ٹوپی کی شکل اختیار کرلیتا ہے' لیکن زلفوں کے ناگ اس ٹوپی میں سے بھی تاک جھانک کرنے کے لئے آزاد ہیں۔ جوتے تھے تو پرانی وضع قطع کے لیکن صاف نظر نہ آتے تھے۔ یہ ریستوران جب واقعی "دارالضیافہ" تھا' محض نام کا نہیں' اس وقت ظاہر ہے کہ اس کام پر مرد مقرر ہوں گے اور سادہ لباس میں کچھ خواتین صرف عورتوں اور بچوں کو کھانا کھلانے پر متعین ہوتی ہوں گی۔ سیاحوں کی جیبوں کو صاف کرنے کے لئے یہ سوانگ اب رچایا گیا ہے۔ مینو کارڈ' لذیذ کھانے اور آئرن کا قصہ دہرانے کی ضرورت نہیں رہی۔ ہر چیز عمدہ اور لذیذ تھی' خوب کھائی پی گئی البتہ میٹھے کے لئے بفے کی عیاشی یہاں میسر نہ تھی۔ سویٹ ڈش آئی تو اس میں بہت ہی مزیدار مٹھائی کے دو ٹکڑے تھے۔ ہماری مٹھائیوں سے کہیں زیادہ چٹخارے دار لیکن ہلکی ایسی کہ میرے جیسے دائم مریضوں کے پیٹ میں بھی گرانی پیدا نہ ہونے دے' سبحان اللہ!

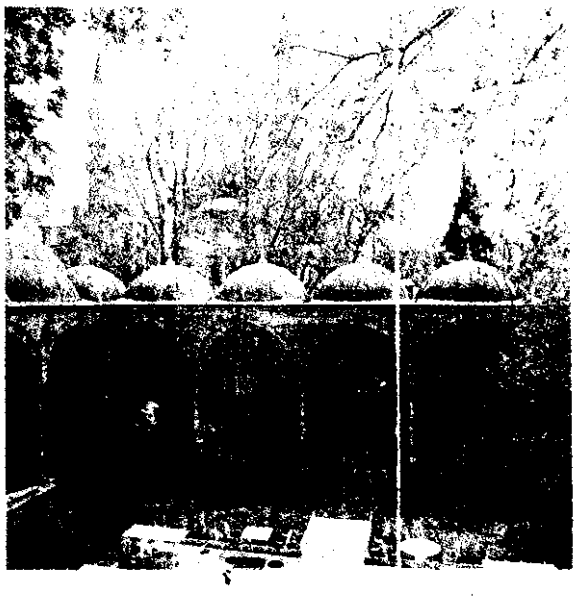

ہم چھ افراد ایک میز پر تھے۔ ڈاکٹر ابراہیم یزدی کے مقابل برادر محترم' میرے سامنے ایک لبنانی نژاد امریکی ڈاکٹر جنہوں نے پہلے دن ہی ترک گائیڈ ابراہیم یرلی پر عربی زبان کے حوالے سے فقرہ چست کیا تھا' میرے برابر ایک پاکستانی یا ہندوستانی دوست اور ان کے مقابل لیبیا سے تعلق رکھنے والے لیکن اب امریکہ میں آباد ایک اور عرب ڈاکٹر۔ میں نے

(باقی صفحہ ۱۸ پر)

بقیہ مذاکرہ

اسلامی نظام میں قائم ہوتا ہے جس طرح سے سعودیہ میں قائم ہے۔ چوتھے مقرر جناب محمد شفیع مغل ایڈووکیٹ نے جن کا تعلق پاکستان پیپلزپارٹی سے ہے' کہا کہ مجھے اس بات سے خوشی ہے کہ پاکستان میں جہاں سیاست کی بنیاد صرف اور صرف نفرت پر استوار ہے اور یہ روش روز بروز پروان چڑھتی جارہی ہے' وہاں ایسے پروگرام منعقد کرکے اب بھی سیاسی عناصر کو یکجا کیا جاتا ہے جن کے خیالات میں بعد المشرقین ہے۔ انہوں نے کہا کہ مسلمانوں میں خلافت کا تصور دراصل خوشحالی' جرائم سے پاک خیالات میں یکسوئی اور خدا کی وحدانیت پر یقین رکھنے والے لوگوں پر مشتمل سوسائٹی کا نام ہے۔ انہوں نے کہا کہ دنیا میں بہتر نظام وہ ہے جو عدل مہیا کرے۔ نظام عدل کے متعلق چرچل کی خود اعتمادی ملاحظہ ہو جس کا اظہار جنگ عظیم دوم کے وقت ایک سوال کے جواب میں کہ جنگ کا انجام کیا ہوگا میں یہ کہہ کر دیا کہ فتح ہماری ہوگی اس لئے کہ ہم اپنے عوام کو انصاف مہیا کرتے ہیں۔

آخر میں جناب مولانا محمد فیروز خان صاحب نے جن کا تعلق جمعیت علماء اسلام سے ہے کہا کہ نظام خلافت مسلمانوں کا وہ درخشندہ نظام ہے جو اس کرہ ارضی پر تیرہ صدیوں تک چلا ہے اور یہ نظام درحقیقت انسانیت کی فلاح کا نظام ہے۔ باقی اور کوئی نظام نہیں جس نے عدل مہیا کیا ہو۔ انہوں نے کہا کہ میں ڈاکٹر صاحب کے اس خیال سے کہ خلیفہ کو متعین مدت کے لئے منتخب کیا جائے' اختلاف کرتا ہوں اور کہتا ہوں کہ خلیفہ کو اس وقت تک خلیفہ رکھا جائے جب تک وہ اللہ کی حدود کا پابند ہے۔ جب وہ حدود سے تجاوز کرے اسے برطرف کردیا جائے۔ چھوٹے صوبے بنانے کی بجائے ون یونٹ بنایا جائے۔ انہوں نے کہا کہ نظام خلافت ضرور قائم ہوگا اور یہ جمہوریت کے مشرکانہ نظام سے نہیں بلکہ انقلاب سے قائم ہوگا' انقلاب ہی واحد حل ہے کوئی اور طریقہ نہیں۔

بحث کو سمیٹتے ہوئے جناب رحمت اللہ بٹر صاحب ناظم مرکزی بیت المال تنظیم اسلامی پاکستان نے وضاحتیں کیں اور کہا کہ مسلمانوں اور دینی جماعتوں کے اندر تقسیم پیدا کرنے والا راستہ انتخاب ہے۔ اگر اسے ہم چھوڑ دیں تو متحد اور ایک ہوجائیں گے۔ انہوں نے کہا کہ نظام خلافت ہی عدل اجتماعی پر مبنی نظام ہے اور اسکے قیام ہی سے نوع انسانی عدل جیسی چیز کو جان سکے گی لیکن اس کا قیام کبھی بھی جمہوری طریق سے نہیں ہوسکے گا بلکہ اس کے لئے ہمیں منہج انقلاب نبوی کو اختیار کرنا ہوگا۔ اس مقصد کے لئے قائم ہونے والی جماعت ہی پھر باطل سے ٹکرا سکے گی۔

آخر میں جناب مولانا محمد حیات نے دعا کی۔ پروگرام میں حاضری ڈیڑھ سو سے زائد تھی۔ لوگوں نے اس منفرد نوعیت کے پروگرام کو نہایت دلچسپی اور انہماک سے سنا اور اچھے تاثرات کا اظہار کیا۔ رات گیارہ بجے پروگرام اپنے اختتام کو پہنچا۔

بقیہ ہجرت مدینہ

دینے والے آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں ہیں اور پھر یہ کہ ان کے قبضے میں ذرائع ابلاغ نہیں ہیں۔ چنانچہ بدی کی دعوت کے لئے جملہ ذرائع ابلاغ استعمال ہورہے ہیں اور اس لئے لوگوں کی اکثریت انہی کو اپنا رہی ہے۔ اس وقت اکثریت کی سوچ مادہ پرستانہ ہے۔ پھر یہ بھی کہ داعی کے سمجھانے کے ساتھ اس کے قول و فعل کا تضاد یا اس میں تھوڑا بہت عدم توازن بھی دعوت کو قبول کرنے میں رکاوٹ بن سکتا ہے۔

بنا بریں اگر کوئی شخص یا جماعت یہ سمجھے کہ محض دعوت و تبلیغ کا کام کرتے رہنے سے دین خود بخود غالب ہوجائے گا تو اس کو نہ عقل تسلیم کرتی ہے اور نہ اس کے حق میں قرآن و حدیث کی کوئی دلیل فراہم کی جاسکتی ہے۔ لہٰذا منہج انقلاب نبویؐ یہی ہے کہ پہلے دعوت دی جائے' جو لوگ دعوت کو قبول کرتے چلے جائیں ان کی تربیت کی جائے' ان کو منظم کیا جائے' ان کو قربانیوں کے لئے تیار کیا جائے اور پھر جب طاقت فراہم ہوجائے تو باطل کو للکارا جائے اور اپنی جانوں کے نذرانے پیش کرنے کے لئے میدان میں آیا جائے۔ اس طرح جب دین غالب ہوگا تو پھر "ویدخلون فی دین اللہ افوا جا" والی صورت پیدا ہوگی نہ کہ محض دعوت و تبلیغ سے!

بقیہ زبان یار من ترکی

بیٹھے ہی بیٹھے کچھ تصویریں کیمرے میں محفوظ کیں اور باقی آنکھوں کے راستے قلب و ذہن میں لیکن ڈاکٹر یزدی اور برادر محترم ان مناظر پر کبھی کبھار جھلتی نگاہ ہی ڈالتے کیونکہ دونوں بڑے اہم موضوع پر گفتگو میں محو تھے جس کا سلسلہ کھانے کا عمل جاری رکھنے کی مجبوری کے باعث الگ ٹوٹتا تھا۔ ایرانی انقلاب پر ڈاکٹر یزدی سے زیادہ روشنی کون ڈال سکتا ہے۔ امریکہ کے تعلیم یافتہ طب کے ایسے شعبے کے ماہر جس کا تعلق معاشرے کے سماجی پہلو سے زیادہ ہے' انقلاب کے بعد قائم ہونے والی پہلی جمہوری حکومت میں نائب وزیراعظم اور وزیر خارجہ رہنے کے بعد بھی کچھ عرصہ پارلیمینٹ کے منتخب رکن رہنے والے اور اب مخالفتوں کے مقابلے میں راہ فرار اختیار کرلینے کی بجائے تہران میں ہی ڈٹے رہنے والے ڈاکٹر یزدی کی گہری فکر مندی اور تشویش کا سبب ایران کا اسلامی انقلاب تھا اور ڈاکٹر اسرار احمد ان کے سامنے حقیقی اسلامی انقلاب کے خدوخال اور اسے برپا کرنے کے عمل (Mechanics) کی تشریح کررہے تھے جس کے صواب پر انہوں نے سیرت مطہرہؐ کا قرآن حکیم کی ترتیب نزولی کی روشنی میں مطالعے سے ایسا اعتماد حاصل کیا ہے کہ کسی بھی فورم سے پورے وثوق و اذعان کے ساتھ پیش کرسکتے ہیں اور سالہاسال سے پیش کرتے چلے آرہے ہیں ---- بے کم و کاست' بلا تغیر و تبدل --- ان کی باتیں ڈاکٹر یزدی کے دل کو لگتی معلوم ہورہی تھیں --- اور میرے کان تو ادھر لگے ہوئے تھے' آنکھوں پر اختیار نہیں تھا جو ہر بدلتے منظر کے تعاقب میں دوڑتی ہلکان ہوئی جاتی تھیں۔ (باقی باقی)

بقیہ سٹاک مارکیٹ

مارکیٹ میں مثبت تبدیلی" کے حوصلہ افزاء مثبت عوامل سامنے آرہے ہیں۔ اس میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ "حصص کی مارکیٹ میں مندی کے رجحان کے باوجود حصص کے روزانہ کاروبار کی مقدار میں مسلسل اضافہ ہورہا ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ کاروبار کی مقدار میں اضافے کے باوجود حصص کی قیمتوں میں کمی کیوں ہوتی چلی گئی اور اب بھی ایسا ہی رجحان کیوں ہے؟ اس "سنجیدہ" سوال کا جواب عام سرمایہ کاروں کو کون دے گا؟ آخر کوئی وجہ کوئی خرابی کہیں ضرور موجود ہے کہ حصص کے کاروبار کی تعداد میں اضافے کے باوجود حصص کی قیمتوں (مالیت) میں کمی ہورہی ہے۔ خود ایکسچینج کے صدور نے تسلیم کیا ہے کہ اسٹاک ایکسچینج میں درج کمپنیز کی جانب سے ششماہی حسابات کے نتائج بہت حوصلہ افزاء ہیں تو کیا ایکسچینج کے ممبرز بروکرز کو اس کا علم نہیں ہے۔ جب مالیاتی نتائج حوصلہ افزاء ہیں تو پھر مارکیٹ میں جن کمپنیز کی جانب سے حوصلہ افزاء نتائج کا اعلان کیا جارہا ہے' ان کمپنیز کے حصص کی قیمتوں میں اضافہ کیوں نہیں ہورہا ہے؟۔

(انگریزی سے ترجمہ)

"ندائے خلافت" کی اشاعت ۲۱ر ستمبر میں جو اپیل آپ نے سرورق پر شائع کی ' میرا خیال ہے کہ اس میں دو اہم باتیں نظر انداز ہوئی ہیں ۔ ایک یہ کہ میرے علم کے مطابق رنگین صفحات کا یہ سلسلہ دوسرے ممالک بالخصوص بھارت میں نہیں پایا جاتا ۔ تحقیق کر کے اس حقیقت کو زیادہ اجاگر کیا جانا چاہیے کہ پاکستان میں اسراف و تبذیر زیادہ ہی بڑھتی جارہی ہے ۔

دوسری اہم تر بات یہ کہ رنگین صفحات قومی مسائل کا ضیاع ہیں جو درآمدی کاغذ اور روشنائی وغیرہ پر لگتے ہیں ۔

اس موضوع پر ایک مربوط مقالہ لکھا جانا چاہیے اور اسی میں وہ اپیل بھی ہو جو آپ نے کی ۔ مقالے میں رنگین صفحات کی تاریخ کا ذکر بھی ضروری ہے ۔ آپ کی اپیل مناسب اور نیک نیتی پر مشتمل ہے ۔ لیکن میرا مشورہ ہے کہ اس پر کچھ اور محنت کی جانی چاہیے۔

اظہار احمد قریشی

۳ر ریواز گارڈن۔ لاہور

☆ آپ کا مشورہ صائب ہے لیکن شاید اخبارات کی قومی تنظیموں سے براہ راست رابطہ قائم کرنا زیادہ موثر ہوگا جس کی ہم تیاری کررہے ہیں ۔ مقالے کے سلسلے میں قارئین کو صلائے عام ہے' خود آپ کو بھی!۔ (مدیر)

گزشتہ چند روز کے اخبارات سے یہ بات آپ کے علم میں ہوگی کہ ہمارے معروف عوامی شاعر حبیب جالب صاحب ان دنوں سروسز ہسپتال میں صاحب فراش ہیں ۔ میری گزارش ہے کہ ندائے خلافت میں ان کی دعائے صحت کی اپیل نمایاں چھاپ دی جائے۔ ایک شاعر کی دعائے صحت کے لئے میں شاید ندائے خلافت جیسے مقصدی پرچے سے جگہ طلب نہ کرتا لیکن جالب اس لحاظ سے ہمارے دیگر شعراء سے ممتاز ہیں کہ انہوں نے شاعری میں محبوب کے غمزہ و عشوہ وادا سے ہٹ کر حق کی آواز بلند کی' تخت شاہی کی مداح سرائی کر کے سکون کی زندگی کی بجائے اونچے ایوانوں کو للکار کر جیل کی صعوبتوں کو ترجیح دی۔ اس لحاظ سے اگر میں یہ کہوں کہ ایک جداگانہ راستے سے سہی جالب بھی ندائے خلافت ہی کی منزل کے مسافر ہیں تو بے جا نہ ہوگا۔

سید انیس سیلز انچارج جنگ پبلشرز لاہور

☆ حبیب جالب صاحب کے نظریات سے قطع نظر وہ ہمارے مسلمان بھائی ہیں اور ان کے لئے دعائے صحت کرنے میں ہمارے لئے کوئی امر مانع نہیں۔ ہماری دعا ہے اور قارئین سے بھی درخواست دعا کہ اللہ تعالیٰ انہیں جلد صحت کی دولت سے نوازے اور ان کی زندگی ملک و قوم کے لئے اور خود ان کی عاقبت کے لئے بھی زیادہ سے زیادہ کارآمد ثابت ہو (مدیر)

پچھلے دنوں تنظیم اسلامی حلقہ سندھ و بلوچستان کے ناظم جناب محمد نسیم الدین کی صاحبزادی کا محترم قاضی عبدالقادر صاحب کے صاحبزادے کے ساتھ عقد نکاح مسنونہ گزشتہ ماہ کراچی میں ہوا جس کے لئے انہوں نے جو دعوتی (یا اطلاعی) کارڈ طبع کرا کے احباب اور اعزہ کو اپنی بچی کے لئے دعا کی درخواست کے ساتھ بھیجا تھا اس میں ترک رسومات پر بیش قیمت تحریری مواد شامل تھا جو امیر تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد کی طرف سے اس تحریک کے انحائے جانے کے بعد سے اب کچھ بہت نیا بھی نہیں رہا ۔ اس دعوت نامے کے جواب میں انہیں شکاگو (امریکہ) میں مقیم اپنے ایک قریبی عزیز سے جو تاثرات ایک خط کی شکل میں پہنچے' وہ انہوں نے ہمیں بھیج کر بہت اچھا کیا۔ یہ مختصر سی تحریر قارئین کی نذر کئے جانے کے قابل ہے جو شاید کچھ اور دلوں میں بھی اتباع سنت کا جذبہ بیدار کردے۔ (مدیر)

عزیزان نسیم سلمہ ویاسمین سلمہا۔ السلام علیکم۔

رب ذوالجلال آپ دونوں' بچوں اور اہل خاندان کو ایمان' تندرستی' علم اور اقبال کی نعمتوں سے سرفراز کرتا رہے۔ آمین۔ آپ کا فکر انگیز اور انقلابی نوعیت کا شادی کارڈ موصول ہوا۔ سب سے پہلے عائشہ کی شادی پر ہم دونوں پر خلوص اور دلی مبارک باد پیش کرتے ہیں۔ ساتھ ہی خالد' شارق اور آفاق اور عرشی' زریں اور تبسم بھی اس تہنیت میں شریک ہیں۔ باری تعالیٰ عاشی کو دین پر قائم رہتے ہوئے ازدواجی زندگی کی حقیقی اور لازوال مسرتیں عطا کرے۔ آمین۔

ہم لوگ آپ دونوں کو اس انقلاب آفریں اقدام پر ہدیہ تحسین پیش کرتے ہیں ۔ آپ لوگوں نے بڑی جرات مندی کا ثبوت دیا ہے۔ رسومات کو ختم کرنے اور معاشرے کی اصلاح کی باتیں تو بہت سارے لوگ کرتے ہیں لیکن ہم لوگ بہت ساری رسومات اور شادی بیاہ کے رائج طریقوں سے چھٹکارا حاصل کرنے کی ہمت نہیں کر سکتے حالانکہ ان کو برا جانتے ہیں۔ اس جہاد کی سعادت آپ ہی جیسے چند مرد مومن کو نصیب ہوتی ہے۔

یہ شہادت گہ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

لائق تحسین ہیں ڈاکٹر اسرار احمد جن کی انقلابی قیادت نے بے شمار نوجوانوں کو اسلامی انقلاب کے صحیح تصور سے آشنا کیا ہے۔ شکاگو میں تنظیم اسلامی بڑا فعال گروپ ہے' دو ہفتے پہلے یہاں خلافت کے موضوع پر بہت موثر سیمینار ہوا تھا۔ آفاق کے قریبی دوستوں میں تنویر عظمت یہاں تنظیم کے بڑے سرگرم کارکن ہیں۔ ان کے ذریعہ بڑی معلوماتی مطبوعات مل جاتی ہیں۔

ہم دونوں ایک مرتبہ پھر تہنیت مبارکباد پیش کرتے ہیں۔ یہ بچی ہم دونوں خصوصاً پھوپھی جان کو بہت عزیز رہی ہے۔ حج کے موقع پر اس کے انہماک عبادت نے ہمیں بڑا متاثر کیا تھا۔ نیک تمناؤں اور پر خلوص دعاؤں کے ساتھ' والد صاحب کی خدمت میں سلام علیک اور مبارکباد پیش کیجئے۔

مجتبیٰ احمد

نارتھ لانڈیل شکاگو الی نوائے امریکہ

WEEKLY "NIDA-E-KHILAFAT" LAHORE
36 -K,Model Town Lahore- 54700 Regd:No L. 9184

ماہنامہ میثاق لاہور

اشاعتِ خصوصی ـــــــ اکتوبر ۹۲ء

خصُوصی مضامین:

- **جماعتِ اسلامی کی تاریخ کا تیسرا اور شدید ترین بحران**
  پس منظر ـــ تجزیہ ـــ تبصرہ ـــ اور مشورے
- **اسلام اور پاکستان کی موجودہ سیاسی کش مکش**
  اس میں مذہبی جماعتوں کا کردار اور اس کا متوقع نتیجہ!
- **مولانا مودودی مرحوم اور میں**

تمام تحریریں از قلم **ڈاکٹر اسرار احمد** امیر تنظیم اسلامی

صفحات ۱۲۸، اس شمارے کی قیمت: دس رُوپے

شائع کردہ: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور، ۳۶۔کے، ماڈل ٹاؤن لاہور